میوزیکل چیئر

(افسانے)

عبدالصمد

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

www.taemeernews.com

میوزیکل چیئر

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

اس کتاب کی اشاعت میں فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی
حکومت اتّر پردیش لکھنؤ کا مالی تعاون شامل ہے۔

www.taemeernews.com

میوزیکل چیئر

(افسانے)

عبدالصمد

www.taemeernews.com

© جملہ حقوق بہ حق افسانہ خاتون محفوظ

کتاب کا نام : میوزیکل چیئر
ناشر و مصنّف : عبدالصمد
خوش نویس : ابوالکلام عزیزی
سنِ اشاعت : ۲۰۰۲ء
صفحات : ۱۹۵
قیمت : ۱۵۰

تقسیم کار
ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
۳۱۰۸، گلی عزیزالدین وکیل، کوچۂ پنڈت، لال کنواں، دہلی-۶

www.taemeernews.com

پروفیسر وہاب اشرفی کے نام

www.taemeernews.com

ترتیب

آسمان ہی آسمان	۹
جنگلوں میں	۱۷
عجوبہ روزگار	۳۱
میوزیکل چیئر	۴۱
دیر سے رُکی ہوئی گاڑی	۵۶
گھوڑ دوڑ	۷۱
ثواب جاریہ	۷۷
بیکار لوگ	۹۶
صبح کا بھولا...	۱۰۲
کرچیاں	۱۱۴
ربر کی گیند	۱۳۳
فرار	۱۴۶
آپ ہرن	۱۵۶

www.taemeernews.com

آسمان ہی آسمان

تیز رفتار جیسے اُڑتے اُڑتے اچانک رُک گیا ہو .....

..... ہوا میں بالکل معلق .....

یا پھر کوئی بہت ہی تیز رفتار گاڑی .....

یا پھر .....

داداجی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہوں نے کون سی ایسی بات کہہ دی ہے ..... ایک عام سی بات کہی تھی انہوں نے ..... محض ایک اظہار خیال کے طور پر ..... اندیشہائے دور دراز والی بات اگر کوئی تھی بھی تو ان کے دل کی تھی۔ کوشش تو انہوں نے پوری کی تھی کہ دل کی بات زبان پر نہ آئے لیکن .....

وہ اپنی تجربہ کار اور بوڑھی آنکھوں سے دوسروں کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔ پتہ نہیں کن کن آنکھوں میں ان کے لئے کیا کیا چیزیں تحریر ہو رہی تھیں۔ وہ خاندان کے بزرگ تھے اور ان کا احترام کرنے پر سب لوگ مجبور تھے۔ جو چیزیں بھی ان کے لئے لکھی جارہی تھیں وہ احساسات اور آنکھوں کی چار دیواریوں کے اندر .....

معاملہ شاید روایت کا تھا کہ جو بات انہوں نے اظہار خیال کے طور پر کہی تھی اس نے سارے

www.taemeernews.com

گھر کی سوچ کی رفتار کو ..... یہ سوچ کر ہرگز یہ بات انہوں نے زبان سے نہیں نکالی تھی کہ وہ ایک تیز رفتار جیٹ کو اچانک ..... بالکل اچانک روک دیں گے۔

انہوں نے ساری عمر اپنے آپ کو بہت سمیٹ کر رکھا۔ ہمیشہ یہ کوشش کی کہ وہ کسی پر بوجھ نہ بنیں بلکہ سبھی کے لئے فائدہ پہنچانے کا ایک ذریعہ بنے رہیں۔ اس سلسلے میں انہیں آگ کے کتنے دریاؤں کو پار کرنا پڑا، اس سے وہی واقف تھے ..... سارے کرب ان کی ذات تک محدود ..... کسی کو پتہ بھی نہیں چلا اور وہ بیش قیمت نگینے کی طرح اپنے خاندان میں جڑے رہے۔ ہر مسئلے کا حل اُن کے پاس تھا، مسئلہ چاہے جذباتی ہو، نفسیاتی ہو، قانونی ہو یا پھر مالیاتی ..... بھلا ایسے بزرگ کی کون قدر نہیں کرے گا؟

رونی ..... ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ..... کہا جاتا ہے کہ رونی میں سارا ٹیلنٹ دادا جی کا آیا ہے۔ دادا جی بھی اس بات کو مسکرا کر گویا تسلیم کرتے۔ تعلیمی میدان میں انہوں نے رونی جیسا کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا تھا۔ ان کے زمانے میں تعلیم کی اتنی اہمیت کہاں تھی، اور پھر انہیں نوکری بھی کون سی کرنی تھی۔ ان کی زمینداری اور زمینیں اتنی پھیلی ہوئی تھیں کہ انہیں خوش اسلوبی سے سنبھالنا کسی اسٹیٹ کو چلانے سے کم تھا کیا.....؟

ایک چھوٹے موٹے اسٹیٹ کو چلانے کے لئے ہزاروں لاکھوں تعلیم یافتہ سماج سے منتھن کئے ہوئے کریم لگ جاتے ہیں، پھر بھی وہ اسٹیٹ اوپر والے کے سہارے ہی چلتا ہے۔ یہاں اکیلے دادا جی نے بھاری بھرکم ڈگریاں حاصل کئے بغیر اپنی زمینوں کا یوں بندوبست کیا کہ آج دنیا کے چپے چپے پر ان کے بیٹے، بھتیجے، پوتے، ناتی، داماد وغیرہ پھیل گئے تھے۔ دادا جی نے اپنے آپ ہی ایک مرکز قائم کیا۔ ان کے بال بچے چاہے دنیا کے جس ملک میں ہوں، آتے اپنے مرکز ہی کی طرف۔ وہ جہاں بھی رہیں ان کا رُخ دادا جی کی طرف ہوتا۔ رونی تو ان کی سرپرستی اور دیکھ بھال ہی میں پلی بڑھی تھی۔ اس کے چہار طرفہ ٹیلنٹ میں جہاں کہیں بھی کوئی کمی ہوتی، ان کی خاص توجہ اور باریک بیں نگاہیں اسے دور دور کر دیتیں۔ پہلے تو وہ اپنی کلاسوں میں فرسٹ آتی گئی۔ پھر پورے اسکول میں اوّل آئی پھر صوبائی اور مرکزی سطح پر اس کی ذہانت کے پھول کھلے، اخباروں میں اس کی تصویریں چھپیں۔ میڈیا کے نمائندے اس کا انٹرویو لینے گھر آئے۔ بہت سی تنظیموں اور اداروں نے اپنے طور پر اسے اعزازات سے نوازا۔

www.taemeernews.com

اس نے اپنے انٹرویو میں اپنی باقاعدہ محنت کے ساتھ داداجی کی پُرجوش سرپرستی کا بھی اعتراف کیا۔ جو لوگ رشک کے ساتھ اس سے ملنے آتے وہ داداجی کے چرن چھوئے بغیر نہیں رہتے ..... ایسا بزرگ انہوں نے سنا نہ دیکھا۔

ایک غیر ملکی ہوائی کمپنی نے عالمی سطح پر sponsored مقابلہ کرایا، جس میں کامیاب ہونے والے طلباء اور طالبات غیر ملکی یونیورسیٹیوں میں کمپنی کے خرچ پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے، پھر انہیں کمپنی ہی میں موٹی تنخواہوں پر رکھ لیا جاتا۔ ایک مقررہ مدت کے بعد وہ آزاد ہو جاتے۔ رونی مقابلے میں بیٹھی اور اپنے ملک کی واحد کامیاب امیدوار قرار پائی۔ پھر سارے ملک میں اس کے ٹیلنٹ اور ذہانت کا ڈنکا بج گیا۔

"یہ عمر اور یہ کارنامے ....."

"تربیت ہو تو ایسی ..... داداجی کی محنت اور نگہداشت ....."

"سب اپنی جگہ پر لیکن ٹیلنٹ تو لڑکی کا ہی ہے ....."

"بھئی ٹیلنٹ تو اپنے دیش میں گلی گلی خودرو پودے کی طرح پھیلا ہوا ہے، داداجی کی طرح کاٹ چھانٹ کر انہیں کوئی خوشنما بنا دے تب نا..... وہ تو اس لڑکی کی قسمت ہے۔" طرح طرح کی باتیں لیکن سب میں ایک بات مشترک .....داداجی کا نام .....

رونی کے جانے کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہوئیں۔ کپڑے لتے، کتابیں، پاسپورٹ، ویزا وغیرہ وغیرہ۔ گھر کے لوگوں کو جہاں اس کے جانے کی خوشی تھی وہاں ان کے دل اس کی جدائی میں بیٹھے بھی جا رہے تھے۔ غیر زمین، غیر آسمان، غیر لوگ، اجنبی ماحول اور سماج اور اس میں یہ ننھی سی جان ..... لیکن جب وہ رونی کی روشن آنکھوں میں کامیاب مستقبل کی غیر معمولی چمک دیکھتے تو سب کچھ بھلا جاتے۔ اس کے چہرے پر آنے والے اجنبی ماحول کی ایک ہلکی سی کرن بھی نہیں تھی، بس تجسس ہی تجسس ..... سرتاپا تجسس ..... سوالات کی ایک لامتناہی لڑی اور آنکھوں میں جلتی بجھتی ایک جوت سی ..... جوابات کی .....

اس روز سب لوگ داداجی کے کمرے میں جمع ہوئے۔ ان کی طبیعت کچھ ناساز سی تھی۔ لوگوں کو پتہ تھا کہ یہ سب رونی کے جانے کا اثر ہے۔ داداجی اسے چاہتے بہت تھے نا.....

www.taemeernews.com

وہاں کے موسم کا، ٹمپریچر وغیرہ کا پتہ لگایا ہے نا......اس کے کپڑے وپڑے.... ؟
داداجی نے پائنتی رکھے کمبل کو اوپر تک کھینچتے ہوئے اچانک دریافت کیا۔
"سب تیاریاں مکمل ہیں سوئٹر ٹرؤزر....
رونی کے والد نے احتیاطاً ساری چیزوں کے نام گنادئے۔
داداجی کے چہرے پر اطمینان کی ایک ہلکی سی جھلک نمودار ہوئی پھر فوراً ہی غائب ہوگئی۔
وہ خلاؤں میں گھورنے لگے، پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہے تھے۔
"وہاں کی یونیورسیٹیوں کے بارے میں ساری معلومات....... ؟ تھوڑی دیر کے بعد
انہوں نے پھر پوچھا۔
"ویڈیو کیسٹ دیکھا ہے.......فکر کی کوئی بات نہیں، بہت اچھی یونیورسیٹی ہے....
اسٹوڈنٹ بہت فری رہتے ہیں، انہیں فون کرنے اور فون رسیو کرنے کی پوری آزادی ہے......"
"اور کیا آزادی ہے ...... ؟" داداجی نے جیسے بے خیالی پوچھ لیا۔
سب طرح کی....... اسٹوڈنٹ Suffocation محسوس نہیں کرتا، کسی قسم کی کوئی
روک ٹوک نہیں، یہی وجہ ہے کہ......
رونی کے والد پر ویڈیو کیسٹ کا بہت اثر تھا، اور وہ بہت ہی پرجوش انداز میں وہاں کی
وکالت کر رہے تھے۔ ان کا جملہ مکمل ہونے سے قبل ہی داداجی نے معنی خیز انداز میں ان کی طرف دیکھا
...... وہ شاید اور کچھ بولنا چاہ رہے تھے، ان کے انداز سے تو یہی لگ رہا تھا۔ سب منتظر تھے۔ تھوڑی
دیر کے بعد داداجی نے آہستہ سے پوچھا۔
"وہاں لڑکے لڑکیاں آپس میں ملتے ہوں گے........ساتھ ساتھ رہتے ہوں گے؟
"یہاں کون سی لوہے کی دیواروں کے بیچ رہتے ہیں پتاجی ...... ؟"
رونی کے والد کو داداجی کی سادہ لوحی پر ہنسی سی آگئی۔
"ہاں..... لیکن ...."
داداجی کچھ کہتے کہتے رک گئے۔
"لیکن .... ؟"

www.taemeernews.com

سب کا تجسس اور بڑھ گیا، پتہ نہیں دادا جی کیا کہنا چاہ رہے تھے۔

"یہاں لڑکی رات میں تو گھر آجاتی ہے نا.....؟"

بس یہی ایک بات تھی جو اوپر سے اُتر کر اچانک یوں پھیلی کہ.....

دادا جی نے اتنی بڑی بات کہہ دی.....؟

رونی کا روتے روتے برا حال ہوگیا۔ سبھی متعجب تھے۔ گھر کا ماحول بہت آزادانہ تھا۔ اور سب کچھ دادا جی کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ پھر ان کے اندر کی وہ کون سی پھانس تھی.....

رونی کی روانگی کی تاریخ بہت قریب تھی لیکن دادا جی کے ایک جملے نے آگے کی تاریخ کو پتہ نہیں پیچھے کھینچ کر کہاں گم کر دیا تھا۔

گھر میں سب کچھ سب کی مرضی سے ہوتا لیکن ہر ایک بات میں دادا جی کی خوشنودی اور منظوری حاصل کر لی جاتی، سب کی تشفی بھی ہو جاتی اور وہ سب اپنے آپ کو بری الذمہ بھی محسوس کرتے۔ گھر کا جو ماحول تھا وہ دادا جی کے سامنے تھا، اس لئے وہ پورے سماج میں ایک بہت ہی روشن خیال بزرگ کے طور پر تسلیم کئے جاتے تھے۔ لیکن ابھی جو انہوں نے نہایت دھیرے سے اپنے طور پر محض اپنی تشفی کے لئے ایک بات کہی تو پوری کی پوری گاڑی الٹی پٹری پر کھڑی ہوگئی۔

اصل میں ان سے اس مسئلے پر کھل کے بات تو نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان کے محض ایک اشارہ کرنے پر چاروں طرف عجیب عجیب تصویریں اُگنے لگی تھیں۔ ان کے اندر اترنے کی کوشش کی جاتی تو پتہ نہیں کون سی انجانی اور عجیب دنیا ان کے سامنے آکھڑی ہوتی۔ موجودہ صورت حال میں وہ برداشت کرنے کے اہل تھے یا نہیں، انہیں خود شبہ تھا۔

رونی کے جانے کی سبھی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اسے تو بس ہوائی جہاز میں لے جا کر بٹھا دینا ہی باقی تھا۔ اگر دادا جی بہت پہلے اپنی بات کہہ دیتے تو شاید جہاز کی سیڑھیوں اور رونی کے درمیان فاصلہ بہت بڑھ جاتا..... اب تو بس یہ کہ جہاز سامنے کھڑا تھا، اس کی سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں، جانے والا مسافر اچانک جنگلے میں بند ہوگیا تھا اور جنگلے کی چابی.....؟

دادا جی بھی اپنے کمرے میں قید ہی ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کے سوالوں کے جواب تو سب دے دیتے، لیکن ان سے کوئی کچھ پوچھتا نہیں تھا۔ بظاہر ان کے احترام میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، لیکن زیر آب جو کچھ

www.taemeernews.com

ہو رہا تھا وہ دادا جی کی دور اندیش اور زمانہ دیکھی ہوئی آنکھوں سے اوجھل کیسے رہ سکتا تھا۔ ان کی لمبی عمر میں شاید پہلی بار ایسا کچھ ہو رہا تھا۔ اس قسم کی سچویشن کو روکنے کی تگ و دو ہی میں تو انہوں نے اپنا سارا جیون بتا دیا تھا۔

صورت حال دن بہ دن گمبھیر ہوتی جا رہی تھی۔ دادا جی نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ دوسری طرف بھی لوگوں کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ کوئی کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ ایک عجیب غیر یقینی صورت حال اچانک مسلط ہو گئی تھی۔ ایسے میں بھیا جی بظاہر ٹھہرے ہوئے پانی میں اچانک ایک اینٹ کے چھپاکے کی طرح نازل ہوئے۔ بھیا جی ..... دادا جی کی بالکل کاربن کاپی تھے۔ انہیں کی طرح دور اندیش، جہاں دیدہ، اونچ نیچ کو اچھی طرح سمجھنے والے اور راہ میں آنے والی بہت ساری دیکھی ان دیکھی رکاوٹوں کو اندر اندر پاٹتے ہوئے ..... اگرچہ دونوں کے درمیان کئی جنریشن کا فاصلہ تھا۔ لیکن جب دونوں ساتھ بیٹھتے تو بالکل دوست معلوم ہوتے۔ اصل میں وہ رونی کو رخصت کرنے آئے تھے اور یہ بھی محض اتفاق تھا کہ وہ آج کل ان اطراف میں موجود تھے، ورنہ وہ تو خود جہاں گشت ..... ان کے پیروں میں تو غریب الوطنی خود ہی لپٹی رہتی۔

انہوں نے فوراً محسوس کر لیا کہ دلہن منڈپ میں بیٹھی ہے اور مہورت کا وقت نکلا جا رہا ہے.... انہوں نے فوراً کچھ نہیں کیا تو وہ پھر شاید آنے والے وقت کے دادا جی کبھی نہیں بن سکیں گے۔

"دادا جی ..... اس بات سے آپ کا مطلب ..... ؟"

دادا جی اور ان کے درمیان ترسیل کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

دادا جی چونک اٹھے۔ اس سیدھے جملے کے لئے وہ تیار نہیں تھے۔ ویسے بھی انہوں نے کون سی ایسی بات کہی تھی جس کے ایک یا کئی معنی ہوں۔

"مطلب کیا ..... ؟ میں نے تو بس ایک بات ....."

"آپ کے منہ سے بے مطلب بات ..... ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے دادا جی، ہم تو آپ کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو موتی کی طرح چنتے ہیں ....."

بھیا جی کے انداز گفتگو سے دادا جی چپ ہو گئے۔ بات تو ان کے دل کی تھی ہی، البتہ ان سے کہیں کوئی چوک ضرور ہوئی تھی .....

www.taemeernews.com

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"بیٹا میں نے کوئی غلط بات تو کہی نہیں۔ لڑکی ابھی پوری طرح بالغ ہوئی نہیں ..... باہر کا ماحول، ان کی تہذیب، آپس میں ان کا بے تکلفی سے ملنا جلنا۔"

بھیا جی قہقہہ مار کر ہنس دئے۔

"آپ بھی کمال ہیں دادا جی ..... میں تو آپ کو بہت روشن خیال سمجھتا تھا، لیکن آپ تو..."

"روشن خیال تو ہوں بیٹا ..... روشن خیال ہی نہیں بلکہ بہت آزاد خیال بھی، لیکن اپنی تہذیب کی جڑوں کو کیسے بھول جاؤں، جو گہری بہت گہری ہوتی چلی گئی ہیں ...."

"میرے پیارے دادا جی ..... اپنے ملک کے بے شمار افراد دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں انہوں نے اپنی جڑوں کو بھلا دیا ہے کیا .....؟" بھیا جی بھی شاید کمر بستہ ہو کر آئے تھے۔

"میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں پُتر ..... دراصل ..... میرے کہنے کا مطلب ہے کہ جوانی ..... نئی نئی جوانی بالکل اندھی ہوتی ہے، اور جب اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہو تو طوفان بن جاتی ہے۔ میں ڈرتا ہوں تو بس اس بات سے کہ کہیں شیشے پر بال ....."

اتنے دنوں کا ٹینشن نکلا تو انہیں جیسے قرار آگیا۔ وہ نڈھال سے ہو گئے۔ ان کی پیشانی اور مونچھوں پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں اُبھر آئی تھیں۔

"دادا جی ..... دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی اور آپ ہیں کہ ..... اس کا مطلب ہے کہ ہم زمانے کی تیز رفتاری سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہیں کر سکے ...."

"بھیا جی کی بزرگانہ تقریر پر دادا جی کی بھویں لرز سی گئیں۔ انہوں نے سوالیہ لیکن درشت نگاہوں سے اس بچے کی طرف دیکھا جو اچک اچک کر اپنے ساتھ چلتے ہوئے بڑے آدمی کے کان چھونے کی کوشش کر رہا تھا۔ جواب میں بھیا جی نے ایک قہقہہ لگایا، جس کی کوئی تک دادا جی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ ان کے جواب کے منتظر رہے۔

"اپنی تہذیب سر آنکھوں پر، اپنی جڑیں بہت مضبوط ..... لیکن دنیا اب میری اور آپ کی مٹھی میں قید نہیں رہی ..... یہ دنیا اب سائنس کی ہے دادا جی ..... اب ہمارا معیار ..... دیکھئے نا دادا جی، یہ دو انچ کی چمڑے کی زبان ہے نا ....." بھیا جی نے اپنی زبان کو نکال کر یوں

www.taemeernews.com

دکھایا جیسے کسی بچے کو کچھ سمجھانے کے لئے دکھایا جاتا ہے۔ دادا جی ٹکر ٹکر دیکھتے رہے۔

"..... اس زبان سے ہم چوبیس گھنٹوں میں کتنے جھوٹ، کتنی غلط باتیں ادا کرتے ہیں، پھر بھی یہ زبان کالی تو نہیں ہوتی اور ہم اسے کاٹ کر تو نہیں پھینک دیتے....." بھیا جی پتہ نہیں کتنی دیر تک تقریر فرماتے رہے۔ دادا جی نے تو ان کے پہلے ہی جملے پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ انہیں اپنی بات واپس لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

بھیا جی کوئی اور نہیں، ان کا اپنا خون تھے ..... رونی کا بھی خون ..... اور شاید بھیا جی کو بھی پتہ نہیں تھا کہ گھر کے سارے لوگ دادا جی کے کمرے کے باہر اپنے کان لگائے کھڑے تھے۔ اس لئے جب وہ دادا جی کو اندر گم صم چھوڑ کر باہر آئے تو ان کی بات زمین سے اُٹھ کر، سروں سے اُٹھ کر، چھتوں اور کوٹھوں سے اُٹھ کر آسمان تک پھیل چکی تھی، جس طرح دادا جی کی بات .....

وسیع و عریض آسمان میں رونی کا جہاز محض ایک چھوٹی موٹی چڑیا ہی تو دِکھ رہا تھا۔

www.taemeernews.com

جنگلوں میں....

شہر سے کافی دور چھوٹے چھوٹے مکانات پر مشتمل ایک کمزور سی آبادی تھی جس کا کوئی پس منظر نہیں تھا۔ اس میں بسنے والے وہ لوگ تھے جو دور دراز کے علاقوں سے شہر میں مزدوری کرنے آئے تھے۔ شہر نے ان کی محنت کو تو قبول کر لیا تھا لیکن ان کے وجود کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جس سے مجبور ہو کر ان لوگوں نے شہر سے دور اپنی الگ دنیا بسائی تھی۔ ایک بے آباد اور بنجر زمین تھی جس پر جب چند پھوس کی جھونپڑیاں بنیں تو اس وقت سروں پر ایک وسیع و عریض آسمان تھا اور پیروں تلے ایک پھیلی ہوئی زمین' اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ان لوگوں نے اپنی محنت کی منصفانہ تقسیم سے ایک بڑا سا کنواں کھود ڈالا جس میں اتفاق سے پانی بہت شیریں نکلا جس سے وہاں کی پوری آبادی سیراب ہوتی تھی۔ سامنے ہی برگد کا ایک گھنا پیڑ تھا جس کے نیچے پہلے تو بستی بستی گھومنے والا پان بیڑی بیچنے والا آ بیٹھا تھا' پھر ایک شخص نے پھوس ڈال کر مٹی کا ایک چولہا بنا ڈالا اور ایک بڑی سی پتیلی رکھ کر چائے بنانے لگا۔ جب چائے اسے چار پیسے دینے لگی تو اس نے تلے ہوئے چنے اور آنے کے تین والے بسکٹ بھی رکھنے شروع کر دیے جو ایسے مزدوروں کے لئے' جن کے گھروں میں اتنا سویرے چولہا نہیں سلگتا تھا اور جنہیں سویرے ہی کام پر پہنچنا ہوتا تھا' ایک اچھا ناشتہ ثابت ہوئے تھے۔ ہوٹل کے بغل میں ہی چار بانس اور ایک چھپر کھڑا کر کے ایک حجام آ بیٹھا تھا جس نے دو تین جگہ' دو' تین' تین اینٹ کی پیڑھیاں بنا ڈالی تھیں اور دیواروں پر فلم ایکٹریسوں

www.taemeernews.com

کی تصویریں لٹکا دی تھیں۔ اگر ایک آدمی کی حجامت بن رہی ہوتی یا شیو ہو رہا ہوتا تو بقیہ پیڑھیوں پر بیٹھ کر ان تصویروں سے لطف اندوز ہوا کرتے۔ رفتہ رفتہ جب اس آبادی کے خدوخال اُبھرنے لگے تو پاس کے بڑے گاؤں کے جہاں دیدہ بنیا کا جوان لڑکا اپنے باپ کے مشوروں اور تجربات سے مالا مال ہو کر یہاں آ گیا۔ اس نے ایک ایسی معقول جگہ پر، جہاں سے آبادی کے سبھی لوگوں کو گزرنا ہی پڑتا تھا، اپنی دوکان بنا ڈالی۔ اس میں روزمرہ کی ضرورتوں کی سبھی چیزیں رکھیں۔ اس نے ادھار کے لئے اپنا کھاتا فراخ دلی سے کھول دیا لیکن اسے وہ پکی تاریخ یاد رکھنی پڑتی تھی جب مزدوروں کو پیسے ملتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنے مول اور سود کا حساب بھی رکھنا پڑتا، بنیا کے بغل میں ایک دور دراز کا حلوائی، جس کے پاس مال اور ہنر نہیں ہونے کے کارن بیکاری ہی بیکاری تھی، ایک چھپّر ڈال کر جلیبیاں اور میٹھی گولیاں تلنے لگا، اس کی دوکان بھی چل نکلی۔ آبادی سے ذرا ہٹ کر ایک ٹیلہ سا تھا جس پر بڑے بڑے کانٹوں والے جنگل گھاس پھوس اُگے ہوئے تھے۔ آبادی کے اوباش لونڈے اس میں چھپ کر جوا کھیلتے، تاڑی پیتے اور طرح طرح کی حرکتیں کرتے۔ ایک فقیر، سر سے پاؤں تک سبز لباس میں ملبوس، لمبی داڑھی اور گھنی زلفیں، کاندھوں پر ایک موٹا ڈنڈا جس کے اوپری سرے پر ایک گٹھری، آبادی سے گزرا تو لوگوں نے حسب توفیق اس کی خاطریں کیں۔ اس نے رات کے قیام کے دوران ایک خواب دیکھا جس کے تحت اس کی رہنمائی میں لڑکوں نے کئی روز کی محنت و مشقت کے بعد جنگل کو صاف کیا اور تھوڑی مٹی ہٹائی تو اس میں سے ایک کچا مزار برآمد ہوا۔ وہاں جھنڈا گاڑ دیا گیا، مزار کے سرہانے لوبان اور اگر جلائے گئے اور وہیں پر ایک جھونپڑی ڈال کر اس مست قلندر نے قیام کیا اور اپنے آپ کو مزار کی خدمت کے لئے مامور کیا۔ ہر جمعرات کو وہاں آبادی اور دور دراز کے گاؤں سے عورتیں آنے لگیں۔ پائینتی میں ایک بانس کھڑا کر کے اس پر رنگ برنگے چیتھڑے باندھے جانے لگے۔ اس کا چرچا بھی رہنے لگا کہ وہاں جانے سے منّت پوری ہوتی ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو وہاں ایک میلہ سا لگنے لگا۔ چندے سے تین چار گھڑے شربت کے تیار کئے جاتے اور مزار کے پائینتی رکھ دئے جاتے، پاس ہی مٹی کے دو چار گلاس بھی۔ اسے میاں کا شربت کہا جانے لگا اور اسے پینا عین سعادت ٹھہرا۔ کچھ دنوں کے بعد کی روایت ہے کہ ایک مزدور کے جھونپڑے کے سامنے چند بچے کھیل رہے تھے کہ اچانک ایک بچے کو ٹھوکر سی لگی اور وہ گر گیا۔ زمین میں گڑی اس چیز کو نکالا گیا تو وہ شیو کی ایک چھوٹی سی مورتی ثابت ہوئی جس کے دونوں پیر ٹوٹ چکے تھے، چہرہ مسخ ہو چکا تھا لیکن وہ تھے شیو ہی، چنانچہ وہیں پر ایک پنڈ بنا دیا گیا جس پر اس مورتی کو نصب کیا گیا۔ اس کے ماتھے پر تلک لگا کے

www.taemeernews.com

صبح وشام اس پر سے گنگا جل ارپت کیا جانے لگا ـــــ گنگا پوری فراوانی کے ساتھ پاس ہی بہتی تھی اس لئے عقیدت مندوں کے لئے روز جل لے آنا کوئی مشکل امر نہیں تھا۔ پنڈ کے اوپر جلد ہی ایک مندر کی تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا اور اس کے لئے چندہ کی فراہمی کی اسکیمیں سوچی گئیں۔ جلد ہی اس پر عمل بھی ہو گیا اور مندر بن گیا۔ اس روز مندر میں جو پرشاد تقسیم ہوا' اسے آبادی کے دوسرے دھرموں کے ماننے والوں نے بھی عقیدت کے ساتھ قبول کیا۔ اب ہونے یہ لگا کہ یہاں کا شربت' ہندو بھی پینے لگے اور مسلمان بھی۔ کہیں دور دراز کے گاؤں کے کسی شخص کے کانوں تک جو یہ باتیں پہنچیں تو اس نے بھی وہاں ایک چھپر ڈال کر ٹین کے ایک پترے پر اپنا نام اور ڈگریاں لکھ کر لٹکا دیں۔ ایک الماری میں رنگ برنگی شیشیاں رکھ لیں' اس کی دوکان میں ہر وقت دو چار مریض بھی نظر آنے لگے۔ سبزیاں، گوشت، کپڑے، چوڑیاں اور زیورات لے کر پھیریاں لگانے والے آبادی میں اکثر آنے لگے جس سے لوگوں کی یہ مصیبت دور ہوئی کہ شہر سے لوٹو تو ضروری سامان کا تھیلا بھی لادے آؤ۔ اتنا کچھ ہونے پر بھی یہ آبادی' دنیا کی نظروں سے اوجھل تھی۔ کیونکہ وہاں تک پہنچنے کے لئے کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جسے راستہ کہا جاتا۔ نشیب و فراز سے پُر' ایک وادی تھی جسے پھلانگتے ہوئے لوگ وہاں تک پہنچ پاتے تھے۔ برسات کے دنوں میں نشیب میں پانی بھرا رہتا' اس وقت لوگ راستہ یوں طے کرتے کہ جسم کے کپڑوں کی پگڑی ان کے سروں پر ہوتی اور وہ خود تیرتے ہوئے نظر آتے۔ تیراکی جاننا بھی آبادی میں رہنے کے لئے ایک ضروری شرط تھی۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ قریب کے جنگلوں کے خونخوار جانور اکثر ان گڈھوں سے اپنی پیاس بجھانے آجاتے' اس لئے لوگوں کو راستہ طے کرتے وقت بہت ہی چوکنا رہنا پڑتا۔ اگر انہیں شہر میں خرید و فروخت کے سلسلے میں کچھ دیر ہونے کا اندیشہ ہوتا تو وہ گروپ بنا کر آتے۔

جب حکومت کی منصوبہ بندی کے نتیجے میں نشیب و فراز سے پُر وادی کی جگہ پر ایک پختہ سڑک کی تعمیر کا پروگرام بنا تو آبادی کے لوگوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ انہیں اپنا وجود تسلیم شدہ لگنے لگا۔ کئی برسوں کی محنت کے بعد سڑک تیار ہوئی' اس کا آبادی سے براہ راست کوئی تعلق تو نہیں تھا لیکن اس نے آبادی کو شہر سے جوڑ کر قریب کر دیا تھا اور جب شہر کو وسیع بنانے کے لئے ماسٹر پلان تیار ہوا تو اس میں آبادی کے علاقے بھی آگئے کیونکہ شہر قبل ہی سے سمٹا ہوا تھا اور اتنے پرانے سمٹاؤ کو پھیلانا کوئی آسان بات نہیں تھی' اس لئے پھیلنے کا عمل کھلی فضا میں ہی ممکن تھا' اس وقت آبادی کے بارے میں کئی حیرتناک اور عبرت ناک حقیقتیں

www.taemeernews.com

سامنے آئیں۔ آبادی کا کوئی نام ہی نہیں تھا۔ اسے لوگوں نے حال ہی سے "نیا ٹولہ" کہنا شروع کر دیا تھا۔ یہاں نہ تو کسی نے زمین کا کوئی حصہ بیچا تھا نہ خریدا تھا۔ پرتی زمین تھی۔

ووٹر لسٹ میں ان لوگوں کا کوئی وجود بھی نہیں تھا۔ انہیں دس دس میل دور گاؤں کے ان لوگوں کے نام پر ووٹ دینے کے لئے لے جایا جاتا جو یا تو مر چکے ہوتے یا موجود نہیں ہوتے یا جو کسی وجہ سے ووٹ نہیں دینے کے لئے مجبور تھے۔ سبھی لوگ موٹروں پر چڑھ کے جاتے، ایک خیمے کے اندر بھات دال سبزی کھاتے، چائے پیتے، بیڑی پھونکتے اور ہدایت کے مطابق نشان پر مہر لگا کر چلے آتے۔

حکومت کی منصوبہ بندی پر عمل درآمد کے لئے وہ افراد پہنچے جو حکومت کے تمام رموز و نکات سے واقف تھے اور جو ابھی صدیوں تک حکومت کا اٹوٹ انگ رہ سکتے تھے۔ جب انہوں نے لوگوں کو یہ جگہ خالی کر دینے کو کہا تو پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا لیکن ان کا سامنا ایک اٹل حقیقت سے تھا اور جب تک کہ انہیں اس کا یقین آتا اس وقت تک بڑے بڑے بلڈوزر اور مشینیں جائے وقوع پر پہنچ چکے تھے۔ یہ ایسے بھوکے شیر تھے جنہوں نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا تھا، فرار کے سبھی راستے معدوم تھے۔ ان کی کمپنی کی یونین کے سکریٹری کو ان کی حالت کا پتہ چلا تو اس نے ایک کھلی جیپ پر جھنڈیاں لگا کر اور لال کپڑوں پر سیاہ حروف سے نعروں کو سجا کر چند لوگوں کو اس پر سوار کیا۔ بقیہ لوگوں کو جیپ کے پیچھے تختیاں دے کر اور نعرے یاد کروا کے کھڑا کر دیا اور اس شان سے اس پورے جلوس کو لے کر چلا کہ وہ جیپ پر کھڑا مائک پر جو نعرہ بھی لگاتا تھا، لوگ اس کو تحسین بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔ جلوس حاکم وقت کے سامنے پہنچا تو اس نے باہر آ کر ان کی مانگوں کو بغور سنا اور ایک وفد کو اندر آ کر بات کرنے کی دعوت دی۔

اب منظر یوں تھا کہ سبھی چپ تھے لیکن حاکم وقت کا ڈنڈا کبھی پشت پر ٹنگے ریاست کے نقشے پر گاہے گاہے ٹھہرتا، کبھی میز پر زور سے بجتا، کبھی ہاتھ کی ہتھیلی پر پڑتا، کبھی دایاں رخ اختیار کرتا کبھی بایاں۔ یہ وہ ڈنڈا تھا جو اپنے مالک کے ساتھ مختلف کردار ادا کرتا تھا۔ وہ جب کسی اہم میٹنگ یا گفتگو میں مصروف ہوتا تو وقت بے وقت اس ڈنڈے سے اپنی پشت پر ٹنگے ریاست کے بہت ہی تفصیلی نقشے کے زیر بحث نقطوں پر اشارے کرتا جاتا، اس سے اس کی بات واضح ہوتی جاتی، وہ جب گفتگو کے درمیان اس ڈنڈے کو زور سے میز پر مارتا تو اس سے اس کے غصے اور بات کی شدت کا پتہ چلتا، وہ جب اسے ایک ہاتھ سے پکڑ کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتا تو اس سے اس کی بات کی قطعیت ظاہر ہوتی، وہ جب اسے ہاتھ میں لے کر ہلکی ہلکی جنبش کے

www.taemeernews.com

ساتھ کسی جلسے کے ڈائس پر چڑھتا تو اس سے اس کے وقار میں اضافہ ہوتا، جب کسی عوامی خیر مقدم کے موقع پر دو رویہ کھڑے بچوں کو وہ اس سے پھول کی مار مارتا تو اس سے اس کی عوام سے دل چسپی کا پتہ چلتا۔ جب وہ اپنے حکام سے کسی مسئلے پر کوئی خاص رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا تو اس کا ڈنڈا اس انداز سے جنبش کرتا کہ وہ فوراً سمجھ جاتے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ غرض حاکم وقت اور اس کے ڈنڈے کا آپس میں اتنا گہرا رشتہ تھا کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وفد کے ارکان نے دو گھنٹوں کی گفتگو کے بعد، جس میں ایک گھنٹہ رس گلوں سے بھری پلیٹیں، ٹھنڈے کی بوتلیں اور خوشبودار سونف چبانے میں لگا تھا، باہر آکر مظاہرین کو بتایا کہ حاکم وقت نے ان کی مانگوں سے پوری ہمدردی ظاہر کی ہے اور یہ یقین دلایا ہے کہ حکومت ان کے مفاد کی حفاظت کے لئے جو بھی ممکن ہو سکے گا، کرے گی۔ مظاہرین خوش خوش اپنے گھر لوٹے۔

چند ہفتے سست اور کاہل رہنے کے بعد بلڈوزر پھر میدان میں آگئے۔ یوں چیخ پکار مچی کہ مانو گھمسان کا رَن پڑا ہو۔ عورتیں اور بچے اپنی جانیں بچانے کے لئے بے پناہ ہو کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ ان کے مرد روٹی پیدا کرنے گئے تھے، انہیں جب خبر ملی تو وہ اُدھ پکی روٹی چھوڑ کر بھاگے بھاگے آئے۔ میدانِ حشر ان کے سامنے تھا۔ قانون نے ان کی آبادی کو غیر قانونی قرار دیا تھا۔ اونگھتے، سُست اور کاہل بلڈوزر اپنے اندر قانون کی روح پھونکے جانے کے بعد زندہ و تابندہ نظر آرہے تھے۔

وہ اپنی آنکھوں سے اپنی بربادی کا تماشہ دیکھتے رہے، سب کچھ لُٹ گیا، سب کچھ برباد ہو گیا، صرف وہ ٹیلہ رہ گیا جس پر ایک بزرگ کا مزار تھا اور وہ مندر جس میں شیو کی مورتی تھی، کیونکہ ان چیزوں کی ضرورت نئی بستی کو بھی تھی۔ جب سب کام تمام ہو گیا تو وہ اپنے بچے کھچے جسم، سامان اور لُٹے لُٹے قدموں کے ساتھ جائے پناہ کی تلاش میں چل پڑے۔ ان کی کمپنی کی یونین کے لیڈروں کو جب ان کی زبوں حالی کی خبر ملی تو وہ پھر ان کا جھنڈیوں، تختیوں اور نعروں سے مزیّن جلوس لے کر حاکم وقت کے پاس پہنچے۔ حاکم وقت نے پھر ان کی باتیں توجہ سے سنیں۔ اس کا ڈنڈا کئی بار اس کی پشت پر ٹنگے نقشے پر دوڑا۔ اس کی خوبصورت میز پر کئی بار پڑا، دائیں بائیں گھوما اور آخر میں اس نے ان سے پوری ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے اپنی مجبوری ظاہر کر دی کہ قانون کے سامنے وہ بالکل مجبور تھا کیونکہ وہ خود قانون ہی کی قسم کھا کر گدّی پر بیٹھا تھا۔ اس نے یہ بات کہتے ہوئے اپنے ڈنڈے کو یوں جنبش دی تھی کہ بات لوگوں کی سمجھ میں آگئی تھی ان کے سامنے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہا کہ

www.taemeernews.com

وہ اپنی کمپنی ہی کی پشت پر بہتے ہوئے نالے پر اپنی جھگیاں ڈال دیں۔ ان کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اپنی روٹی پیدا کرنے والی کمپنی سے دور بھی نہیں رہ سکتے تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ نالہ کمپنی کی ملکیت تھا اور کمپنی میں ہونے والی توسیع کا ایک اہم حصہ۔ چنانچہ کمیٹی کے ذمہ داروں نے یہ بات واضح کردی تھی کہ موقع آنے پر یہ نالہ فوراً خالی کرنا ہوگا۔ نالے میں بہت سارے مچھر اور کیڑے پلتے تھے جو رات دن بچوں کی جان کو چمٹے رہتے۔ اس سے طرح طرح کی ایسی بیماریاں جنم لے رہی تھیں جو ڈاکٹروں کی سمجھ میں بھی نہ آتی تھیں۔ کمپنی کا ڈاکٹر جن دوائیوں کے نام لکھتا وہ بازار میں نہیں ملتی تھیں اور جو چیزیں کھانے کے لئے لکھی جاتیں ان کے دام جیب میں موجود نہیں ہوتے۔ اسی درمیان ایک واقعہ یہ گزرا کہ برسات نے کچھ زیادہ ہی فراخ دلی دکھا دی جس سے نالہ بھر گیا۔ اور اس میں اتنا پانی بھر گیا کہ چھلک کر جھونپڑیوں میں گھس گیا اور اس نے اُن کی نصف زندگی کا تو خاتمہ ہی کر ڈالا، بقیہ نصف کو انہوں نے پانی میں سینے تک کھڑے ہو کر درختوں پر پناہ لے کر، مہربانوں کی چھتوں میں دبک کر اور اونچی سڑکوں پر سہارا لے کر بچالیا۔ اچانک یوں ہوا کہ ایک بہت ہی ترقی یافتہ ملک کے سربراہ کا اس ریاست میں دورہ طے ہوگیا جس میں تاج محل کی سیر اور جے پور کے میدانوں میں پولو کھیلنے کے ساتھ ساتھ ایک ہندوستانی دیہات کا معائنہ بھی شامل کیا گیا۔ اس کے طے ہونے کے دوسرے ہی دن حکمراں جماعت کا ایک اہم فرد بہت سے لوگوں کے ساتھ ان کے پاس آیا۔ اس نے تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کے حالات معلوم کئے۔ ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور انہیں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جو حاکم وقت سے مل کر بات چیت کرے گی۔ اس نے خود ہی اس کی قیادت بھی کی اور حاکم وقت کے سامنے ایک ایسا شعلہ بار بیان دیا جس سے یہ بات مسلّم ہوگئی کہ وہ اس قسم کے وفد کی قیادت کے لئے موزوں ترین شخص ہے۔ اس وقت بھی حاکم وقت کا ڈنڈا گاہے بائیں، گاہے دائیں، معاملے کی پوری نوعیت کو سمجھنے کے لئے پشت پر ٹنگے نقشے پر دوڑا اور جب حاکم وقت نے ان خانماں برباد لوگوں کے لئے کچھ کرنے کا وعدہ کیا۔ اس وقت وہ ڈنڈا اپنی پوری طاقت سے میز کے شیشے پر بج رہا تھا جس سے اسی وقت اندازہ ہوگیا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ یہ اندازہ یوں درست ثابت ہوا کہ حاکم وقت کے حکم سے شہر سے چند میل کے فاصلے پر جو پختہ چمکیلی سڑک وہاں تک جاتی تھی، ایک بستی کی تعمیر جنگی پیمانے پر شروع ہوگئی۔ قطاروں میں ٹین کے شیڈ کے ساتھ ایک ایک، دو دو، کمروں کے ہٹس بنائے گئے۔ جن میں باتھ روم، ٹوائے لیٹ، کچن اور سامنے پھولوں کے لئے زمین بھی تھی جس کے لئے سرکاری محکمے سے مفت پودے فراہم کئے گئے۔ بعد میں پھولوں کے پودوں کا سراغ تو

www.taemeernews.com

نہیں مل سکا البتہ ان زمینوں پر سبزیاں خوب کثرت سے اُگائی گئیں ۔ یہ قطاریں کچھ اس ترتیب سے بنی تھیں کہ دور سے "Welcome" دکھائی دیتی تھیں ۔ آبادی کے بیچوں بیچ ایک چوپال بنائی گئی جس کے لئے جو چبوترہ بنایا گیا وہ موزیک سے مزین تھا ۔ بیس بستروں کے ایک اسپتال کی تعمیر بھی ہوئی جس میں فوری طور پر دو ڈاکٹروں اور چار نرسوں کی بحالی ہوئی ۔ ایک ایمبولنس بھی دیا گیا، ایک پرائمری اور ایک مڈل اسکول بھی بنائے گئے جس کے لئے گاندھی جی، نہرو جی اور سردار پٹیل کی تصویریں ہنگامی طور پر فراہم کی گئیں ۔ حکومت کے خصوصی فرمان کی رو سے بجلی اور پانی کی فراہمی کے انتظامات کئے گئے ۔ ایک بینک کی مدد سے سڑک کے کنارے ایک لمبا شیڈ بنایا گیا جس میں ضروری چیزوں کی دو کانیں کھولی گئیں ۔ یہ سب کچھ ایک ریکارڈ ٹائم میں ہوا ۔ اس دن ان کی زندگیوں کی خوشیوں کی انتہا کا دن تھا جب ایک رنگا رنگ تقریب میں جس میں بڑے میدان میں ایک بہت ہی خوبصورت پنڈال سجایا گیا تھا جس کے چاروں طرف بجلی کی جھالریں لٹک رہی تھیں، بہت سے فوجی اور سپاہی، اپنی باوقار وردیوں میں گھوم رہے تھے، ایسے میں جب سجی سجائی موٹروں کے قافلے کی جھرمٹ میں حاکم وقت، اپنا ڈنڈا ہلاتا ہوا نمودار ہوا تو اس کے آس پاس روشنیوں اور رنگوں کا جیسے ایک سیلاب سا آگیا، اس نے ان مکانات کی چابیاں ان کے حوالہ کیں اور ان کے حق میں ایک بہت اچھی تقریر کی ۔ اسی دن سرکار کی طرف سے انہیں مٹھائیوں کے دونے بھی ملے ۔ یہ سب کچھ انہیں خواب سا لگ رہا تھا کیوں کہ انہوں نے یہ سب کچھ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا ۔ اب جو کسی کے پوچھنے پر وہ اپنے مکان نمبر وغیرہ بتلاتے تو خود اپنی نگاہوں میں اجنبی سے دکھائی دیتے ۔ جس دن وہ معزز غیر ملکی مہمان ان کے درمیان آئے ۔ اس دن اس آبادی کا نام ان کے نام پر رکھ دیا گیا اس طرح ان کی پہچان کا مسئلہ بھی حل ہوا ۔ معزز مہمان ایک آئیڈیل ہندوستانی گاؤں دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے ملک کو دنیا کی ترقی پذیر ملکوں کا قائد قرار دیا ۔ حاکم وقت نے انہیں بتایا کہ چونکہ ہندوستان کی پچاسی فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے اس لئے حکومت دیہاتوں کی فلاح و بہبود پر خاص دھیان دیتی ہے ۔ اس دن ان کی بستی کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا ۔ معزز مہمان یوں تو کاروں کے قافلے کی جھرمٹ میں وہاں آئے تھے لیکن ایک میل کے فاصلے پر انہیں ہاتھی پر بٹھا دیا گیا، دوسرے مہمانوں کو بھی یہ تفریح فراہم کی گئی ۔ اس دن گاؤں کے تمام لوگوں کو سرکار کی طرف سے صاف ستھری پوشاکیں دی گئی تھیں ۔ جنہیں زیب تن کر کے اور قطار میں لگ کر انہوں نے معزز مہمان سے ہاتھ ملائے تھے، پھر یہ تاریخی لمحے اخباروں کے ذریعہ پوری دنیا میں پھیل گئے تھے اور ان کے

www.taemeernews.com

گاؤں کا دور دور تک نام ہوگیا تھا۔ عرصہ تک اپنوں اور پرایوں کے درمیان یہ سب کچھ موضوع گفتگو رہا۔ اس درمیان بہت سے واقعات ہوئے۔ ان کا گاؤں شہر کے کارپوریشن کا علاقہ تسلیم کرلیا گیا، ووٹر لسٹ میں ان کے نام باقاعدہ درج ہوئے اور وہ دوسروں کے نام پر ووٹ دینے کی اذیت سے محفوظ ہوئے۔ ایک چناؤ بھی ہوا جس میں حاکم وقت کے کارناموں میں اس گاؤں کی تعمیر و تشکیل کا بجا طور پر خوب ذکر ہوا۔ گاؤں کے سبھی لوگوں نے شکر گزاری کے اظہار کے طور پر حاکم وقت ہی کو ووٹ دیا۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ جس حاکم وقت کو انہوں نے ووٹ دیا، وہ بعض وجوہات کی بنا پر کامیاب نہ ہوسکا اور اس کی جگہ پر جو دوسرا حاکم وقت آیا اُس کے ہاتھوں میں بھی بالکل ویسا ہی ڈنڈا تھا اور بالکل اسی طرح گھومتا تھا، اس کے چلنے پھرنے، باتیں کرنے، یہاں تک کہ مسکرانے کے بھی بالکل وہی انداز تھے جو پہلے حاکم وقت کے تھے، اس لئے وہ یہ سوچ کر خوش ہو رہے کہ گویا انہوں نے جسے ووٹ دیا، وہی جیتا۔

ابھی اتنے ہی دن گزرے تھے کہ ان کا موضوع گفتگو ختم نہیں ہوا تھا، وہ جس جگہ روٹی پیدا کرنے جاتے وہاں سے کبھی کبھار انہیں روکھی سوکھی بھی ملتی لیکن وہ ملول نہ ہوتے کہ ان کے پاس اپنے آپ کو بھلانے کے وافر اسباب موجود تھے، وہ اُٹھتے۔ بیٹھتے حاکم وقت کی سلامتی چاہتے، ویسے میں حاکم وقت کو اپنی ٹوپی میں ایک کلغی کے اضافے کی ضرورت پڑ گئی۔ فوراً صلاح کاروں کی ایک میٹنگ طلب کی گئی۔ وہ سب سر جوڑ کر بیٹھے۔ وہ یوں تعداد میں تو قلیل تھے لیکن ان میں ایک ایک فرد میں کئی کئی لاکھ آدمی سمٹ آئے تھے اور یہ لاکھوں آدمی، حاکم وقت کو یوں گھیرے ہوئے تھے کہ حاکم وقت کروڑوں کی شکل اختیار کرچکا تھا۔ اس طرح کہ حاکم وقت لبوں سے جو کچھ ادا کرتا، وہ گویا کروڑوں افراد ادا کرتے اور جو کچھ وہ سنتا، وہ گویا کروڑوں سنتے سبھی کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ کلغی ایسی ہونی چاہئے جو پہلے کسی اور کی ٹوپی میں نہ لگی ہو، نمایاں اس قدر ہو کہ دور دور سے نظر آئے اور طرۂ امتیاز کہلانے کی حامل۔ مشکل یہ تھی کہ ایسی تمام کلغیاں پہلے ہی استعمال ہوچکی تھیں، ان کا دوسری ٹوپیوں کے لئے سودا ہوچکا تھا۔ ادھر حاکم وقت کی ضرورت بڑھتی ہی جارہی تھی۔ تھک ہار کر طے کیا گیا کرتب بازیوں کا ایک میلہ منعقد کیا جائے جس میں دنیا بھر سے نٹ، کرتب باز اور تماشہ باز بلائے جائیں۔ یہ ایک عجیب و غریب میلہ ہوگا اور اس کا سہرا حاکم وقت کے سر بندھے گا۔ اب تک تو سبھی قسم کے کرتب باز، نٹ اور تماشہ باز گلیوں اور چوراہوں پر اپنے تماشے دکھاتے آئے تھے، ان کو ایک جگہ پر جمع کردینا ہی ایک بڑا کارنامہ ہوگا اور دنیا اس طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہوجائے گی۔ اس طرح حاکم وقت کی ٹوپی میں جو کلغی لگے گی وہ

www.taemeernews.com

سب سے مختلف اور نمایاں ہوگی اور دور و نزدیک سے دیکھی جاسکے گی یہ بات طے ہو جانے پر صلاح کاروں نے اطمینان کی سانسیں لیں اور پھر کوئی ایسی ہی مشکل درپیش ہونے تک اپنی اپنی آرام گاہوں میں گم ہو گئے۔ ان کے بعد کی سطحوں کے افراد نے، جن کا اپنی آنکھوں پر تالہ لگا دینا عین فرض تھا، طے شدہ فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کا کام شروع کیا۔ انہیں ہر طرح کی فکروں سے آزاد ہو کر منصوبہ بندی کرنے کی آزادی تھی سو انہوں نے اس آزادی کا جی بھر کے استعمال کیا۔ طے ہوا کہ جو کرتب باز اور نٹ آئیں، اُن کے رہنے سہنے کا اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا جائے، اس کے لئے ایک الگ بستی بسانا منظور ہوا جس کی تعمیر میں ملک کے سبھی ماہرین فن کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ ہوا۔ مشکل یہ درپیش ہوئی کہ آس پاس جو بستیاں تھیں وہ بسائی نہیں گئی تھیں بلکہ بستے بستے بسی تھیں، اگرچہ یہ بات تاریخ کے صفحات میں درج نہیں تھی لیکن نسلوں در نسلوں زبانوں اور یادداشتوں پر یوں کندہ تھی کہ اب اس کا مٹنا ممکن نہیں رہا تھا۔ منصوبہ بندی نے جو پروگرام بنایا تھا۔ اس کے مطابق پچھلی سات صدیوں میں انسانوں نے اپنے رہنے کے لئے جس قسم کے مکانات بنائے تھے، وہ سبھی نمونے وجود میں آئے تھے اور پھر ان مکانات میں لوازمات بھی زمانے کے مطابق ہی بنانا تھا۔ ان کے علاوہ ایک بڑا میدان بنانا تھا جس میں کئی قسم کا ایک نمونہ ہوتا، پھر تیراکی کے پول، مارکیٹ، ڈیپارٹمنٹل اسٹورس اور ایک ایسا ڈائننگ ہال تعمیر کرنا تھا، جس میں سبھی صوبوں کے مہمانوں کو ایک ساتھ کھانا کھلانا ممکن ہوتا۔ پھر اس بستی کو تین اطراف سے فلائی اوور سے بھی گھیرنا تھا جو یوں تو زمین کی تنگی کو دور کرنے کے لئے ہوتے لیکن خود اتنی زمین گھیرتے کہ زمین اور بھی تنگ دکھائی دینے لگتی۔ ظاہر ہے اتنی منصوبہ بندی اور جامع تعمیرات کے لئے کافی زمین کی ضرورت تھی چنانچہ نگاہیں بار بار اس بستی پر پڑ رہی تھیں۔ اس سلسلے میں کئی دلیلیں بھی سامنے آئی تھیں۔ وہ جس معزز مہمان کے نام پر بسائی گئی تھی، وہ اب اپنے عہدے پر برقرار نہیں رہا تھا اور اب جو شخص اس جلیل القدر عہدے پر فائز تھا وہ پہلے کا زبردست مخالف تھا۔ یہ بستی شہر سے بہت قریب تھی اور دونوں کو ایک بے حد چمکیلی اور روشن سڑک ملاتی تھی۔ اس بستی کے بسنے کی کوئی تاریخ موجود نہیں تھی۔ اس میں بسنے والا کوئی شخص بھی دعوے کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ مکان اسی کا ہے، یہ بستی اسی کی ہے۔ ان کے پاس جو کچھ بھی تھا، وہ ان کا حاصل کیا ہوا نہیں تھا بلکہ ایسا عطیہ تھا جس کے وہ محتاج رہے تھے۔ اس بستی کو مٹا کر آسانی سے اپنی پسند کی نئی تعمیرات کی جاسکتی تھیں۔ اس بستی کے لوگوں نے اس حاکم وقت کو ووٹ دیا تھا جو ہار گیا تھا اور جو جیت گیا تھا اس کو یوں تو لوگ اپنا ہی سمجھتے تھے لیکن اس حاکم وقت اور

www.taemeernews.com

اس کے لوگوں کو یہ بات بھولی نہیں تھی، اس لئے موقع بھی تھا مصلحت بھی۔ مگر کوئی کام اصول اور ضابطے کے تحت ہی ہو سکتا ہے نا، پھر مسئلہ بھی گمبھیر تھا کہ ساری دنیا کی نگاہیں اس پر پڑ سکتی تھیں۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ حاکم وقت کے اندر سمٹے ہوئے کروڑوں میں چند لاکھ ایسے بھی تھے جن کے کان اور آنکھ کھلتے جا رہے تھے اگرچہ کھلنے کی رفتار بہت سُست تھی لیکن یہ آہستہ روی تھی خطرناک تھی اور کرسیوں پر بیٹھے، لیٹے اور چلتے ہوئے انسانوں کو ہوشیار بننے پر مجبور کرتی تھی۔ چنانچہ ایک لمبی چوڑی حکمت عملی تیار کی گئی جس کے تحت ایک دن حاکم وقت اچانک معائنہ کے لئے اس بستی میں جا پہنچا۔ وہاں اسے یہ دیکھ کر بہت تکلیف پہنچی کہ پانی اور بجلی کا نظام عرصہ ہوا منقطع ہو چکا ہے۔ اور لوگوں کو آس پاس کے کنوؤں سے اپنی ضروریات پوری کرنی پڑ رہی ہے، صفائی کا کوئی انتظام نہیں ہے، جگہ جگہ کوڑوں کا انبار لگا ہے جس سے بدبو پھوٹ رہی ہے اور بیماریاں پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ کھیلنے کا میدان اب گندے پانی کے نالے میں تبدیل ہو چکا ہے، اسپتال موجود ہے لیکن اُس میں ڈاکٹر اور نرس نہیں آتے۔ جب کوئی وزیر یا بڑے حاکم کا ادھر گزر ہوتا ہے تو وہ معلوم کر کے آجاتے ہیں۔ اسکول موجود ہے لیکن اس میں صرف ایک ہی ماسٹر ہے جو ایک ہی وقت میں چٹائی پر لڑکوں کو بٹھا کر سب کلاسوں کی پڑھائی کر لیتا ہے کیونکہ اسکول میں بنچ اور کرسیاں نہیں ہیں۔ صرف گاندھی جی، نہرو جی اور سردار پٹیل کی تصویریں لگی ہیں۔ بستی سے شاہراہ ضرور گزرتی ہے لیکن بس رُکنے کا کوئی پڑاؤ نہیں ہے اس لئے بس رُکوانے کے لئے لوگوں کو بستی سے پلنگ، چوکیاں اور کرسیاں لے جانی پڑتی ہیں اور ان کو بیچوں بیچ سڑک پر بچھا کر بس رُکوائی جاتی ہے۔ بستی میں جو ضروری چیزوں کی دوکانیں ہیں، ان میں اوّل تو سامان نہیں رہتا اور اگر رہتا بھی ہے تو ایسے داموں پر، جو جیب میں موجود نہیں ہوتے۔ پولیس چوکی پاس کے گاؤں میں ہے اس لئے راہزنی کی وارداتیں بھی عام ہیں۔ لیکن لوگ اس کے باوجود خوش ہیں، مگن ہیں کہ آج تک انہوں نے سوائے درخواستیں دینے کے احتجاج کا ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا۔ حاکم وقت یہ سب کچھ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے ان کی حالت زار پر ہمدردی کے الفاظ سے بھرپور تقریر کی جس میں ان کو یقین دلایا کہ وہ جلد ہی ان کی حالت سدھارنے کی تدبیریں اختیار کرے گا اور ان کو بہتر رہائش فراہم کرے گا۔ لوگ شاید اسی دن کے منتظر تھے کہ ایک مسیحا آئے گا اور چٹکیوں میں ان کے تمام مسائل کو حل کر دے گا۔ وہ مارے خوشیوں کے بے قابو ہو گئے۔ انہوں نے حاکم وقت کی حمایت میں زوردار نعرے لگائے اور بازاروں سے اس کی تصویر خرید کر اپنے

www.taemeernews.com

مکانوں کو سجایا۔

شہر ہی کے ایک سلم ایریا میں، رنگا رنگ اشتہارات اور اعلانات کی روشنی میں ایک دن حاکم وقت نے ایک بہت بڑی ان گنت منزلہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جس میں بستی میں رہنے والوں کے لئے فلیٹ تعمیر ہونا تھے۔ سرکار نے اس قسم کی کئی عمارتوں کا پروگرام بنایا تھا کہ گندی بستیوں میں رہنے والوں کو بہتر رہائش کے مواقع فراہم کئے جائیں اور انہیں جدید سہولیات سے بہرہ ور کیا جائے۔ عمارت کی تعمیر کا ٹھیکہ ایک بڑی کمپنی کو دیا گیا اور اسے ہدایت دی گئی کہ وہ مقررہ تاریخ تک اسے مکمل کر دے۔ چنانچہ زور شور سے تعمیر کا کام شروع ہوا اور بستی میں گفتگو کا ایک دلکش موضوع ہاتھ آگیا۔ اس طرف سے جو بھی آتا، خبر لاتا کہ پہلی منزل بن چکی ہے ..... دوسری منزل ..... تیسری منزل۔ منزل پر منزل کی تہیں جمتی گئیں اور عمارت بلندی کی طرف پرواز کرتی رہی۔ دراصل جگہ کی تنگی نے اسکائی اسکریپر کا آئیڈیا دیا تھا تاکہ رہائش کے سارے مسئلے ایک ہی جست میں حل ہو جائیں۔ سولہ منزلوں پر جاکر بلڈنگ ٹھہر گئی۔ اب تک اس میں سیکڑوں فلیٹ تیار ہو گئے تھے۔ پھر خبر آنے لگی کہ اس میں چار چار ایسے کمرے لگے ہیں جو ایک بٹن دبانے سے منٹوں میں اوپر لے جاتے ہیں اور منٹوں میں نیچے۔ پانی کی سپلائی کے لئے ایک بہت بڑی ٹنکی بنی ہے، سب فلیٹوں میں الگ الگ غسل خانے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ایک پندرہ اگست کو عمارت کے مکین بھی آگئے۔ اس دن سامنے والے میدان میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں حاکم وقت نے تقریر کی، مٹھائیاں تقسیم ہوئیں، تالیاں بجیں اور فلیٹوں کی خوبصورت چابیاں مکینوں کے حوالہ کی گئیں۔ اس رات عمارت میں کوئی سو نہ سکا۔ اچانک اتنی بڑی خوشی جو مل گئی تھی، پھر سامان بھی اپنی جگہ رکھنے تھے۔ دوسرے ہی دن سے عمارت کا ہر فرد نیند نہیں آنے کی شکایتیں کرنے لگا کیونکہ سامنے کی سڑک پر جو موٹریں گزرتی تھیں، وہ سر پر سے جاتی ہوئی معلوم ہوتیں جس سے کان کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوتے بلکہ کانوں میں ایک مسلسل گھوں گھوں سی ہوتی رہتی۔ عمارت میں ہوا کا گزر نام کو نہیں تھا۔ فلیٹوں میں ایک ایک کھڑکی ضرور تھی لیکن پتہ نہیں ہوا کو کیا ضد تھی کہ اس میں سے گزرنے میں اسے عار ہوتا۔ کچھ دنوں تک یہ شکایتیں رہیں، رفتہ رفتہ انہیں کچھ کچھ نیند آنے لگی، پھر وہ کچی پکی نیند کے عادی ہو گئے۔ ایک دن عمارت کا ایک لفٹ خراب ہو گیا تو اس کے صارفین تینوں لفٹ میں بٹ گئے۔ ابھی پہلا مرمت بھی نہیں ہوا تھا کہ دوسرا خراب ہو گیا، پھر تیسرا بھی گیا، اب پوری عمارت کی آمد و رفت کا بوجھ ایک ہی لفٹ پر تھا۔ لوگوں نے بہت دوڑ دھوپ کی کہ لفٹ مرمت ہو جائیں لیکن کوئی سنتا ہی نہ تھا۔

www.taemeernews.com

آخر چوتھا لفٹ بھی جواب ہی دے گیا۔ اب لوگوں کے سامنے سیڑھیوں کی قیامتیں تھیں اور منزلوں کی مصیبتیں۔ جو ایک بار نیچے اترتا، وہ اپنے اندر اُوپر جانے کی ہمت نہیں پاتا تھا۔ جو اوپر جاتا وہ یوں بے سدھ ہو کر گر پڑتا مانو اب اس میں جان باقی نہیں ہے۔ کچھ دنوں کے بعد یہ حالت ہونے لگی کہ روٹی پیدا کرنے والوں کے علاوہ کہ انہیں روز اترنا اور چڑھنا ہی پڑتا تھا، روٹی کھانے والوں کو نیچے اترنے کے لئے ایک تاریخ مقرر کرنے کی ضرورت پڑنے لگی۔ جس دن انہیں نیچے اترنا ہوتا، اس دن وہ کوئی اور کام نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں خوش قسمت وہ لوگ تھے جنہیں نیچے کی منزلیں ملی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ لفٹ کو بھی تفریح کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ لفٹ کے بند ہو جانے پر ان کی تفریح کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ لیکن وہ سبھی کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔ اب تک خوشیوں اور مصیبتوں کی ایک ساتھ برسنے والی بارش نے ان کو بھگو رکھا تھا۔ اب بارش کہیں ہوتی تھی کہیں نہیں جس سے ان کے تعلقات میں دراڑ پڑنے لگی اور وہ اکثر ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ جو لوگ قیامت کی اونچی منزلیں طے کر رہے ہوتے، وہ نچلی منزلوں پر انہیں آرام کرتے دیکھ کر آگ بگولہ ہو جاتے اور غصہ میں ان سے طرح طرح کی حرکتیں سرزد ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ سیڑھیوں پر آ رہے ہوتے تو نچلی منزل والے جلدی سے اپنے کواڑ بند کر کے بیٹھ جاتے اور چُپ چاپ گالیوں سے لطف اندوز ہوا کرتے۔ زندگی اسی ڈھرے پر اپنا قیام کرنا چاہتی تھی کہ دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ پانی کی ٹنکی میں خرابی پیدا ہو گئی۔ اور اس میں پانی جمع نہیں ہونے لگا۔ جب تک اس سے پانی مل رہا تھا، تب تک لوگوں نے یہ بات سوچی بھی نہیں تھی کہ ایک دن پانی بند بھی ہو سکتا ہے۔ نیچے کارپوریشن کا نل موجود تھا جو بہت فراخ دلی سے پانی بہاتا، اس کی دریا دلی سے لطف اندوز تو خوب ہوا جا سکتا تھا لیکن پانی کی ایک بالٹی کا اوپر لے جانا ایک قیامت ہی تھی۔ غسل کرنا، برتن دھونا، کپڑے دھونا، پیاس بجھانا، گھر کی صفائی وغیرہ ایسے امور تھے جو پانی کے محتاج تھے۔ کچھ عرصہ تک تو لوگوں نے اس مصیبت کا یوں سامنا کیا کہ وہ سبھی اکٹھے پانی کے لئے نیچے آ جاتے اور اس طرح کہ گھر کے سبھی افراد کے ہاتھوں میں پانی کے لئے کوئی بہترین برتن ضرور ہوتا لیکن مصیبت کی طوالت بڑھتی جا رہی تھی، چنانچہ لوگ متعلقہ محکمہ کی طرف دوڑ پڑے۔ حکام نے ان کی باتیں غور سے سنیں، ان سے پوری ہمدردی ظاہر کی اور فوری توجہ کا وعدہ کیا۔ لیکن ہوا یوں کہ اگلے تین مہینوں تک صورتحال جوں کی توں رہی۔ اس درمیان کالونی کے باشندے درجنوں بار دفتر گئے۔ دراصل دفتر نے صورتحال کی جانچ کے لئے جو کمیٹی مقرر کی تھی، اس کمیٹی کے ممبران دوسری بہت سی کمیٹیوں میں رہنے کے باعث بہت مصروف رہتے تھے۔

www.taemeernews.com

ان میں ایک کو اگر فرصت مل جاتی تو دوسرا یقینی طور پر بہت مصروف ہوتا جس کے نتیجے میں ان کی تاریخیں آپس میں میل نہیں کھاتیں اور کمیٹی معائنے پر پہنچ نہیں پاتی تھی۔ ادھر اعلیٰ حکام انہیں یاد دلاتے کہ جمہوری طرز میں کام کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے جس سے وہ روگردانی نہیں کر سکتے۔ اب اس میں دیر ہوتی ہے تو ان کا کیا قصور۔ آخر خدا خدا کر کے کمیٹی معائنہ کے لئے آئی تو لوگوں نے موقع غنیمت جان کر لفٹ کی خرابی کی شکایت بھی کر دی۔ جس پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ اس محکمہ سے ان کا کوئی سروکار نہیں البتہ وہ پانی کے مسئلے کو حل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ انہوں نے تین روز کے اندر اپنی رپورٹ دے دی۔ لوگوں کو امید بندھی کہ اب جلد ہی اس پر کارروائی ہوگی لیکن جب کئی ہفتے کسی سُن گن کے بغیر گزر گئے۔ تو وہ پھر اعلیٰ حکام سے ملے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ دیر ان کی طرف سے نہیں ہو رہی ہے۔ انہوں نے متعلقہ فائل اپنی تجاویز کے ساتھ فوراً اوپر بھیج دی تھی۔ اگر کام کروانا ہے تو فائل کے پیچھے دوڑیئے۔ فائل کے پیچھے دوڑنا ایک وقت طلب کام تھا۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے پانچ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی جنہوں نے محض اس مقصد کے لئے چھٹی لی تب ان کو معلوم ہوا کہ فائل کے سفر میں جو تاخیر ہوتی ہے اس میں قصور کسی ایک کا نہیں ہوتا بلکہ خود فائل ہی کا ہوتا ہے جب فائل سب سے اوپر پہنچ گئی تو وہاں سے اس میں درج تجاویز کے سلسلے میں کچھ وضاحتیں طلب کی گئیں۔ اس کے لئے فائل کو اوپر سے نیچے آنے میں ٹھیک انہیں منزلوں سے گزرنا پڑا جن سے نیچے جانے میں گزرنا پڑا تھا۔ پھر فائل کے انتظار میں سبھی چشم براہ ہوا کرتے، چنانچہ فائل کو ایک ایک ٹیبل پر فیصلہ کھلنے کے لئے مہینوں انتظار کرنا پڑتا تھا جس سے عاجز آ کر پانچ آدمیوں کی کمیٹی نے اپنی کوششیں چھوڑ دیں کیونکہ یہ ایک مستقل کام تھا اور وہ دوسرے بہت سے مستقل کاموں سے لگے ہوئے تھے جنہیں چھوڑ دینا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ یوں انہوں نے آخری کوشش کے طور پر ایک بار حاکم وقت سے بھی ملاقات کر لی تھی۔ اس کے لئے انہیں سات دن مسلسل انتظار کرنا پڑا تب انہیں کوئی پانچ منٹ کا وقت مل سکا۔ حاکم وقت نے تین منٹوں میں ان کی ساری کتھا سن لی۔ چوتھے منٹ پر اس کی نگاہیں ان کے ذریعہ دیئے گئے میمورنڈم پر دوڑ رہی تھیں اور پانچویں منٹ پر وہ ان سے کہہ رہا تھا کہ ہر کام کا ایک طریقہ ہوتا ہے، ایک اصول ہوتا ہے اور رائج الوقت طریقے کو بدلنا اس کے بس کی بات نہیں کہ وہ اسی طریقے کو برقرار اور محفوظ رکھنے کا وعدہ کر کے گدی پر بیٹھا ہے اور وہ اپنے حلف سے غداری نہیں کر سکتا، ویسے وہ فائل کو تیزی سے چلانے کا حکم ضرور دے گا۔ اس نے ان سے باتیں کرتے ہوئے جس انداز سے اپنے ڈنڈے کو جنبش دی اور گفتگو کے خاتمے پر ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔

www.taemeernews.com

اس سے اتنی بات ان کی سمجھ میں آگئی کہ اب وہ اس موضوع پر بات کرنا ہرگز پسند نہیں کرے گا۔ وہ لوٹ گئے اور زندگی جس ڈھرّے پر چل پڑی تھی، اسی کو اپنا مقدر جان کر اس میں شامل ہو گئے۔

اب کے جو برسات آئی تو جیسے آسمان میں چھید سا ہو گیا۔ اس قدر پانی برسا کہ چاروں اُور جل تھل ہو گیا، ندی نالے چڑھ گئے۔ شہر میں پانی گھس آیا، لوگ پناہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ بلڈنگ والے خوش تھے کہ وہ اس آفت سے محفوظ تھے۔ لیکن ایک رات جب طوفانی ہوا، بارش کے تھپیڑوں سے لیس انسانی بستی پر حملے کر رہی تھی تو اس کی زد میں بلڈنگ بھی آگئی اور اس کی دیواروں میں کئی دراریں پڑ گئیں۔ اب صورتحال یہ تھی کہ اگر اس کی فوری مرمت نہیں ہوتی ہے تو پوری بلڈنگ کے بیٹھ جانے کا پورا اندیشہ تھا۔ وہ بھاگ کر جاتے بھی کہاں۔ وہ تو کھونٹے سے بندھے تھے اور ہر حال میں انہیں اسی کے چاروں طرف گھومنا تھا۔ متعلقہ محکمہ نے اس سلسلے میں پھرتی دکھائی۔ اس نے فوراً اس ٹھیکہ دار کو تلاش کیا جس نے یہ بلڈنگ بنائی تھی۔ بہت کاوش کے بعد اتنا معلوم ہو سکا کہ عرصہ ہوا، وہ اپنی شہریت کو تیاگ کر کے دوسرے ملک میں جا بسا ہے اور وہیں سے ہندوستانی گوشت منگواتا اور فروخت کرتا ہے۔ پھر بھی محکمہ نے اس سلسلے میں تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی جس نے دس مہینوں کے اندر اپنی رپورٹ محکمہ کے سامنے پیش کر دی۔ یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ تعمیرات میں زبردست گھپلا کیا گیا تھا۔ ناقص میٹریل کا کھلم کھلا استعمال ہوا تھا، تھوپ تھاپ کر عمارت کھڑی کر دی گئی تھی، منہ بند کرنے کے لئے روپیوں کا بھی بے دریغ استعمال ہوا تھا۔ ان سب کا نتیجہ تھا کہ عمارت کی بنیادیں ہل رہی تھیں اور اس کے کسی وقت بھی گر جانے کا خطرہ تھا۔ محکمہ نے کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں فوراً کارروائی کی اور اس سلسلے کی فائل کو ضروری بنا کر آگے بڑھایا گیا۔ سفارش کی گئی کہ یا تو عمارت کی فوری مرمت کرائی جائے یا پھر اس کے مکینوں کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ ابھی یہ فائل کہیں راستے ہی میں تھی کہ دوسری برسات کی ایک طوفانی رات نے اس بنیاد ہی کو تہ و بالا کر ڈالا جس پر عمارت کھڑی تھی۔ نتیجہ میں پوری عمارت زمیں بوس ہو گئی۔ اس میں رہنے والے زیادہ افراد تو لقمۂ اجل بن گئے اور جو بچ گئے، انہوں نے آبادی کے کن جنگلوں میں اپنا منہ چھپایا، اس کا سراغ نہیں مل سکا۔

---

www.taemeernews.com

عجوبہ روزگار

اُس نے حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔
یہ کون سی دنیا تھی .....؟
یہ دنیا ہی تھی یا .....؟
زمین چم چم، آسمان چم چم، جھل جھل کرتی کرسیاں، بستر، آئینہ کی طرح منہ دیکھتے ہوئے شیشے .....
اُسے تو ہر چیز شیشہ ہی لگ رہی تھی .....
ہر چیز میں تصویر .....
کرسیوں اور بستر کی چھوٹی چھوٹی تصویریں کھڑکیوں کے شیشے پر .....
بیٹھے اور کھڑے ہوئے لوگوں کی تصویریں دیوار پر لگے فریموں میں .....
زمین کی تصویر الماریوں میں .....
چھت کی تصویر میز پر لگے شیشے پر .....
اور خود اُس کی تصویر .....؟
لوگوں کی آنکھوں میں .....

www.taemeernews.com

یہ دنیا تو .....

اُسے تو یہاں چلنے میں بھی ڈر لگ رہا تھا ..... پتہ نہیں کون سی چیز گندی ہو جائے اور جانے کب اور کہاں وہ پھسل کر گر پڑے۔ پتہ نہیں کب اور کیسے چمچماتی ہوئی زمین پر دھبے پڑ بھی گئے اور بڑے صاحب کے اشارے پر ایک صاف ستھرے باوردی آدمی نے صاف بھی کر دیا۔ ....

اس کا ڈر بڑھ گیا۔

لیکن وہ خود تو یہاں نہیں آیا تھا۔

اس کی زندگی تو چودھری کی پٹرول ٹنکی اور اس کے ٹھیک سامنے کے چوراہے تک سمٹی ہوئی تھی۔ چودھری کے کسی مصرف کا وہ نہیں تھا لیکن اس کے لاکھ منع کرنے اور دھتکارنے پر بھی وہ کپڑوں کی ایک دھجی لے کر موٹروں کے شیشے صاف کرنے میں لگا رہتا۔ کسی موٹر والے کی خواہش ہوتی تو کچھ پیسے پھینک دیتا، موڈ خراب ہوتا تو اسے ڈانٹ دیتا۔ کچھ تو بڑے مزے سے شیشے صاف کراتے رہتے اور پھر مسکرا کر، اُسے انگوٹھا دکھا کر چلے بھی جاتے۔ چوراہے پر جب بھی لال بتی جلتی، گاڑیاں ٹھہر جاتیں تو اس کی زندگی چل پڑتی۔ اتنی عمر میں اُسے یاد بھی نہیں تھا کہ ٹنکی اور چوراہے کے درمیان کب وہ شٹل کاک بنا ..... لاشعوری طور پر اس نے اپنا رشتہ ٹنکی، چوراہے اور ہری بتی، لال بتی سے جوڑ لیا تھا۔

بڑے صاحب کی لمبی چمچماتی گاڑی ٹنکی پر آتی تو وہ جھٹ کپڑے لے کر اس کے شیشے صاف کرنے لگتا۔ صاحب خوش ہوتے تو کچھ پیسے اُس کی طرف پھینک دیتے، موڈ خراب ہوتا تو لال لال آنکھوں سے اُسے گھورنے لگتے، وہ جلدی سے دوسری طرف متوجہ ہو جاتا۔

اُس دن صاحب نے دھیمے سے پوچھا تھا۔

"کام کرے گا ــــ؟"

"کام ــــ؟"

کام تو وہ آج تک کرتا ہی آیا تھا، لیکن کوئی بڑا آدمی پہلی بار اُس سے یوں مخاطب ہوا تھا، وہ بھونچکا سا انہیں تکتا رہا۔

"اچھے اچھے کھانے ملیں گے، اچھے کپڑے بھی اور .....خوب پیسہ بھی ....."

"اچھے کھانے ..... اچھے کپڑے ..... اور خوب سارے پیسے بھی ....."

www.taemeernews.com

وہ کیا سُن رہا تھا ــــ ؟

اُس کا ذہن فوراً اس فقیر کی طرف چلا گیا جس کے آگے جب وہ اپنی بچی کھچی روٹی اور ایک آدھ پیسے ڈال دیتا تو وہ خوب لہک لہک کے دعائیں دیتا۔

"مالک میرے بابو کو خوب روپیہ دے ..... بہت بڑا آدمی بنائے ..... خوب اچھے اچھے کپڑے پہنائے، خوب ....."

اُس کی دعائیں اُس کے اندر گدگدی سی کر دیتیں۔

بڑے صاحب کی باتیں سُن کر وہی گدگدی .....

اُس نے جلدی سے سر ہلا دیا۔ بڑے صاحب کے اشارے پر ڈرائیور نے آگے کا دروازہ کھول دیا اور گاڑی .....

بغیر کسی آواز اور دھچکے کے گاڑی ایک بہت بڑی عمارت کے اندر داخل ہوئی اور پھر ایک چھوٹے سے کمرے میں کھڑے ہو کر وہ پتہ نہیں کتنا اوپر چڑھ گیا۔ کمرے میں اسٹول پر بیٹھے آدمی نے صرف ایک بٹن دبا دیا تھا۔

"یہ کسے اُٹھا لائے .....؟"

چینی کی گڑیا جیسی میم صاحب غسل خانے سے ابھی ابھی نکلی تھیں اور انہوں نے اپنے لمبے ریشمی بالوں کو یوں جھٹکا کہ پانی کے خوشبودار قطرے سر سے پیر تک اُسے نہلا گئے۔

"پٹرول ٹنکی پر کام کرتا تھا ..... میں نے سوچا گھر کے چھوٹے موٹے کام کے لئے ٹھیک رہے گا ....."

صاحب نے جیسے کسی چلتے پھرتے پنجرے والے سے کوئی طوطا خرید لایا ہو۔

میم صاحب نے غور سے اس کی طرف دیکھا، سر سے پیر تک اسے جانچا، پھر بولیں۔

"اچھا کیا ..... گھر پر چھوٹے موٹے کام کرنے والے کی کمی بھی تھی ..... لیکن لڑکا ہے بہت گندا ..... اے، کیا نام ہے تمہارا .....؟"

"راجو ..... راجو ....."

غلیل کی گولی کی طرح اس کے حلق سے نکلا ..... لوگوں کی زبان پر آسانی سے

www.taemeernews.com

ایک نام چڑھ گیا تھا ورنہ اُسے کیا پتہ .....

"راجو ....." وہ زیرلب بڑبڑائیں ..... "ہم تمہیں راجہ رام کہیں گے ۔ ٹھیک ہے ۔؟"

اُس نے بے حد سعادت مندی سے جلدی سے سر ہلا دیا۔

اتنے میں ایک لڑکا، ایک لڑکی اندر داخل ہوئے جیسے صاحب لوگوں کی گاڑیوں میں بستہ سنبھالے، آئس کریم کھاتے ہوئے چینی کے گڈے، گڑیاں .....

انہوں نے اپنے گھر میں ایک عجوبہ روزگار کو بہت دل چسپی سے دیکھا۔ ان کی سوالیہ نگاہیں، ابھی ماں باپ پر پوری طرح پڑی بھی نہیں کہ میم صاحب بولیں۔

"راجہ رام ..... ہمارے ہاں رہے گا ..... کام کرے گا ....."

"اُوہ ..... ونڈرفل، سرونٹ ....."

لڑکی تو جیسے ناچ ہی اُٹھی۔

"دیکھو راجہ رام ..... میرے کپڑوں پر استری لگانا ..... جوتوں پر پالش .... اور ٹفن تیار کر کے گاڑی میں ....."

لڑکے نے اسے ہدایت دی۔

"اور ہاں ..... راجہ رام ..... میرے کمرے میں بکھرے ہوئے کپڑے اور کتابیں سمیٹ لینا ..... یہ کرنا ..... وہ کرنا ..... اور ہاں ..... میری کوچی کو ہاتھ نہ لگانا، اُسے یونہی میرے بستر پر ....."

وہ تو یوں کہہ رہے تھے جیسے وہ بہت پہلے سے اُن کے گھر میں رہ رہا ہو ۔

بڑے صاحب بڑے اطمینان سے اخبار ہاتھوں میں لئے اپنی ڈسکوری پر دل ہی دل میں شاید بہت خوش ہو رہے تھے۔

"بیٹا اسے کچھ کپڑے تو دے دو ..... گندا اور گندا لگ رہا ہے، ذرا آدمی تو بنے ....."

میم صاحب ابھی تک اپنے بالوں میں کنگھا کئے جا رہی تھیں اور وہ نعمت سمجھ کر ان کے موتیوں کو اپنے سر آنکھوں پر سمیٹے جا رہا تھا۔

چینی کی گڑیا نے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا، وہ اس کے پیچھے پیچھے جیسے خوابوں میں چلتا

www.taemeernews.com

ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ ان کے لئے کمرہ بے ترتیب ہوگا لیکن اُس نے تو اپنے سپنوں میں بھی کبھی اتنی چیزیں نہیں دیکھی تھیں۔ گڈا بھی اندر آیا۔

"جانتی ہو رنجنا..... راجہ رام کو یہاں لاکر ڈیڈ نے وہ کام کیا ہے کہ پوری بلڈنگ میں اس پر ڈسکشن ہو رہا ہے، سارے لوگ حیرت زدہ ہیں....."

"ممی کو کتنا کام کرنا پڑتا تھا....."

گڑیا بولی۔

"کسی کے پاس اپنا سرونٹ نہیں..... وی آر فور چونیٹ انف ٹو....."

ایک الماری سے خوبصورت پینٹ شرٹ نکال کر گڈے نے اُس کی طرف اُچھال دیا۔

"باتھ روم میں جاکر بدل لو....."

راجو..... راجہ رام نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے کپڑوں کی طرف دیکھا۔ اتنے خوبصورت کپڑے اُس کے ہاتھوں میں سچ نہیں رہے تھے۔

ان کے اشارے پر وہ بند دروازے کے اندر گھس گیا۔

"یہ کیسا کمرہ....."

دوسرے کمروں سے بھی زیادہ چم چماتا ہوا..... آدھی دیواروں پر پتہ نہیں کیا تھا کہ آئینہ کی طرح چمک رہا تھا۔ اوپر چھت کے آس پاس بہت سے آلے لگے ہوئے تھے، ایک طرف بہت بڑا ٹب رکھا تھا، اُس نے آج تک اتنا بڑا ٹب دیکھا ہی نہیں تھا، ایک طرف چینی مٹی کی ایک کرسی لگی تھی جس کی نچلی تہہ میں تھوڑا سا پانی.....

اُسے اچانک ڈر لگنے لگا۔

پتہ نہیں وہ کہاں.....

اُس نے جلدی جلدی اپنے جسم کے میلے کچیلے کپڑے اُتار کر اُن کی گٹھری بنائی اور نئے کپڑوں کو ابھی پہنا ہی تھا کہ سامنے دیوار پر لگے آئینہ پر اس کی نظر پڑ گئی۔

وہ راجو تھا ــــ؟

نہیں راجہ رام.....

www.taemeernews.com

پوٹلی بغل میں دبائے وہ باہر نکلا تو دونوں اُسے دیکھ کر ہنس پڑے۔

"واہ، اسے کہتے ہیں راجہ رام ..... لیکن راجہ رام، تم نے یہ گندی پوٹلی کیوں اٹھا رکھی ہے، اسے پھینک دو ....."

اب تک وہ سحر زدہ سا اُن کی ہر بات کو مانتا آ رہا تھا لیکن اپنے جسم کے کپڑوں کو پھینک دینے والی بات اُسے بالکل اچھی نہیں لگی ..... اس کے اپنے کپڑے ..... نہیں ..... نہیں .....

اُس نے پوٹلی کو اور مضبوطی سے دبوچ لیا۔ اس کی اس بے ساختہ حرکت پر وہ ہنس پڑے۔

"اچھا بھائی، نہیں پھینکو، لیکن اسے کونے میں تو رکھ دو، اتنے اچھے کپڑوں کے ساتھ اچھا لگ رہا ہے کیا .....؟"

گڑیا ..... چینی کی گڑیا میں مٹھاس بہت تھی۔

اُس نے محض اُس کا دل رکھنے کے لئے اپنی پوٹلی کونے میں رکھ دی۔

"اب چلو، کچھ کھالو، پھر تمہیں کام سمجھائیں گے ....."

دونوں کے ہاتھوں جیسے کوئی کھلونا آ گیا تھا۔

ڈائننگ اسپیس میں قالین کے ایک پرانے ٹکڑے پر بیٹھ کر اس نے سامنے رکھے کھانوں کے ساتھ وہ انصاف کیا ..... وہ انصاف کیا .....

وہ نہ اِن کھانوں کے نام جانتا تھا نہ قسمیں، اُس نے ایسی چیزیں نہ دیکھیں نہ سنیں لیکن انکی خوشبو .....

وہ پاگلوں کی طرح کھا رہا تھا۔

وہ سب اُسے بڑی دل چسپی سے دیکھ رہے تھے۔ لڑکے نے ایک آدھ بار اسے ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش بھی کی تو بڑے صاحب نے اسے اشارے سے منع کر دیا۔

وہ سب واقعی بہت خوش تھے۔ بیٹھے بیٹھائے ایک نعمت کی طرح ایک ایسا نوکر ان کے ہاتھ آ گیا تھا جس کے آگے پیچھے اوپر نیچے کچھ نہیں ..... کوئی جھنجھٹ، کوئی ٹینشن نہیں۔ دفتر کے چپراسی وقت پر آتے اور بہت نفاست کے ساتھ گِنا چُنا کام انجام دے کر چلتے بنتے۔ وہ سب اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھے۔

www.taemeernews.com

اُس نے منٹوں میں اچھی خاصی مقدار چَٹ کرلی تو تھوڑی دیر انہوں نے اُسے سُستانے کا بھی موقع دیا۔ قالین کے اُسی ٹکڑے پر وہ لیٹ گیا۔ قدرت سے لے کر فطرت اور انسان تک اس پر مہربان تھے۔

آج اُس کی زندگی کا..... نئی زندگی کا پہلا دن تھا۔

اچانک ——

بالکل اچانک..... اُس کے پیٹ میں مروڑ اٹھا۔

ایک گولہ سا بار بار اٹھتا اور اندر اندر چکر لگا کے اور اُسے جھٹکورے دے کر بیٹھ جاتا.....

لیکن پھر فوراً ہی اُٹھ جاتا۔

بار بار گولہ اُٹھنے اور بیٹھنے لگا تو وہ پیٹ پکڑ کے لوٹنے لگا۔ جو لوگ ابھی خوش ہو رہے تھے، بہت پریشان ہوگئے۔ گھر میں اور بازاروں میں دواؤں کی کمی تھی نہیں، کوئی کچھ لے کے دوڑا، کوئی کچھ لے کے..... لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

"جس طرح وہ کھا رہا تھا، اس سے مجھے ڈر تھا....."

بڑے صاحب نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے اِسی لئے اُسے منع کرنا چاہا تھا ڈیڈ..... آپ نے روک دیا....."

لڑکا منھ بنا کر بولا۔

"بھئی، میں نے دیکھا، بہت دنوں کا بھوکا ہوگا، پیٹ بھر کے اور جی بھر کے کھا لینے دو..."

"اُف کس ندیدے کی طرح ٹوٹ پڑا تھا کھانے پر —— بالکل جانوروں کی طرح..."

میم صاحب نفرت سے ہونٹ سِکوڑ کر بولیں۔

"اِن جاہل اور غریب لوگوں میں یہی تو خرابی ہے، انہیں پتہ ہی نہیں کہ....."

لڑکی بولی۔

اچانک وہ اٹھا اور ایک طرف کو بھاگا۔

ایک طرف سے دوسری طرف.....

دوسری طرف سے تیسری طرف.....

www.taemeernews.com

سبھی لوگ بوکھلا گئے۔ بچے تو ڈر کے مارے کمرے میں

"اِس طرح تو پاگل کتّے کے کاٹنے پر....."

میم صاحب بہت ہی ہراساں لہجے میں دھیرے سے بولیں۔

بڑے صاحب الگ پریشان تھے اگرچہ نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اُنہوں نے ہمت پیدا کر کے، ڈپٹ کر پوچھا۔

"اس طرح کیوں بھاگ رہے ہو ــــ؟ کیا بات ہے ــ؟"

"ٹٹّی ..... ٹٹّی ....."

اُس کے منھ سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

میم صاحب نے سوالیہ نگاہوں سے صاحب کی طرف دیکھا، ان کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔

"ٹوائلٹ ....."

صاحب نے دھیرے سے کہا، جیسے بم کا گولہ گرا۔

"ٹوائلٹ .....؟ یہ گنوار بچہ ہمارے ٹوائلٹ میں جائے گا۔؟

"... It is absolutely impossible!"

میم صاحب نے زور سے انگریزی ادا کی کہ بچے کمرے سے نکل آئے۔ لڑکا پھر زمین پر لوٹ رہا تھا۔

"آدمی ہے تو کہاں جائے گا آخر ــــ؟"

بڑے صاحب ترش لہجے میں بولے۔

"ارے یہ لوگ میدانوں میں، سنڈاسوں میں جاتے ہیں، کموڈ پر تو یہ بیٹھ بھی نہیں سکتا نا...."

میم صاحب نرم ہو گئیں۔

"لیکن یہ مر جائے گا نا..... پھر ہم لوگ صاف کروالیں گے ....."

بڑے صاحب نے سمجھوتہ آفر کیا۔

"نہیں ڈیڈ، پھر ہم اتنے گندے ٹوائلٹ میں نہیں جائیں گے ــ"

لڑکے کو سوچ کر ہی گھن آ گئی۔

www.taemeernews.com

بڑے صاحب کو غصہ تو بہت زور سے آیا۔ وہ گندگی کے موضوع پر بہت کچھ سخت سُست کہنا چاہتے تھے لیکن مصلحتاً خاموش رہے اور جیسے ہار مانتے ہوئے بولے۔

"تو پھر کیا کیا جائے ۔ تم ہی لوگ بتاؤ ۔"

راجو بے بس نگاہوں سے اُنہیں دیکھتا، اُٹھتا اور کہیں سے کوئی اشارہ نہیں پا کے پھر گر جاتا۔ آزاد پرندے کی طرح وہ جہاں چاہتا، فارغ ہو جاتا، کوئی جھنجھٹ نہیں ... کوئی ٹوکنے والا نہیں۔

"کسی اور فلیٹ میں .....؟"

لڑکی نے استفسار کرنا چاہا، بڑے صاحب نے فوراً اپنی مکمل جانکاری کا ثبوت دیا۔

"پوری بلڈنگ میں کسی کے پاس نوکر نہیں ——!"

"بہت غلطی کی آپ نے ڈیڈ، اسے لاکر ——"

لڑکا بیزاری سے بولا۔

"جب بلڈنگ بن رہی تھی، اسی وقت یہ آئیڈیا ذہن میں آنا چاہیے تھا۔"

"اس وقت تو کسی نے سوچا ہی نہیں ——"

میم صاحب بولیں۔

"ساڑھے آٹھ سو اسکوائر فیٹ میں تین کمروں کا فلیٹ نکالنا تھا، اس میں گنجائش ہی کہاں تھی۔ ہمیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس مہانگر میں سر چھپانے کی اتنی شاندار جگہ تمہیں ملی ہوئی ہے۔"

بڑے صاحب نے حقیقت پسندی سے کام لیا۔

"تو پھر کیا ضرورت تھی ڈیڈ ——؟"

لڑکی نے بھی باپ ہی کو گھیرا۔

"ضرورت تھی، مجھے افسوس آتا تھا تمہاری ماں پر اور تم لوگوں پر ...."

بڑے صاحب کا لہجہ تیز تھا ..... سب اپنی اپنی تاویلات میں مصروف تھے۔

اب شاید لڑکا کچھ بولتا کہ راجو تیزی کے ساتھ —— بے حد تیزی کے ساتھ —— اپنی ساری تکلیفیں بھول کر —— بجلی کی سرعت سے اُٹھا اور تیر کی طرح بچوں کے کمرے میں گھس گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

www.taemeernews.com

"اب کیا ہوگا ــــ؟ پتہ نہیں آپ کس مصیبت کو اٹھالائے ....."

میم صاحب بہت پریشان تھیں۔ صاحب کی تو سمجھ ہی میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

"اِس چھوکرے نے دروازہ کیوں بند کیا .....؟"

وہ آہستہ سے بڑبڑائے۔

"کہیں چور نہیں ہو ..... کوئی واقعہ نہ کر گزرے ..... دروازہ توڑنے کی نوبت نہ آجائے ....."

بیگم صاحب جیسے اپنے آپ سے کہہ رہی تھیں۔

لیکن ابھی کسی نے کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ دروازہ کھلا اور وہ لڑکا تیزی کے ساتھ بجلی کی طرح نکلا اور تیر کی طرح بھاگا۔ سیڑھیوں سے دھپ دھپ اُس کے بھاگنے کی آواز آتی رہی۔ پوری بلڈنگ اس کے قدموں کی چاپ سے گونج اُٹھی۔

دروازہ کھلنے پر اس کے ساتھ ایک چیز اور نکلی تھی .....

بدبو کا ایک بہت تیز بھپکا .....

وہ ہکا بکا ایک دوسرے کا منھ تکتے رہے۔ دیر تک تو وہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکے کہ اس پر اُنہیں خوش ہونا چاہیے یا .....

www.taemeernews.com

میوزیکل چیئر

وقت، تاریخ، دن اور سال ۔

ان میں صرف وقت کی ڈوروں کا سرا ہمارے ہاتھوں میں تھا جسے ہم نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا ورنہ ریشمی ڈوریاں بہت آسانی کے ساتھ ہمارے ہاتھوں سے پھسلتی رہیں اور ہم ان کے نشانات کو البم میں سجا سجا کے خوش ہوتے رہے ۔

کرسیاں چار تھیں، ان کرسیوں پر ناموں کی تختیاں نہیں تھیں، جو پہلے آتا وہ اپنی پسند کی کرسی پر پہلے بیٹھتا ..... پھر ظاہر ہے جو آخر میں آتا اسے آخری کرسی نصیب ہوتی ۔

کمرے کی سجاوٹ اور بناوٹ میں خاص بات یہ تھی کہ اس میں سجاوٹ والی کوئی بات ہی نہیں تھی ۔ چاہے وہ چیز کتنی ہی پرانی کیوں نہ ہوگئی ہو اور چاہے اس کا زاویہ نگاہ کتنا ہی فرسودہ کیوں نہ ہوگیا ہو، جو چیز جیسی تھی، بس ویسی ہی رکھی ہوئی تھی ۔

یہی تو کمرے کی خصوصیت تھی، ساتھ ہی انفرادیت بھی ۔

پرانے قدیم صوفے، پرانے رنگوں سے مزین قالین، قدیم انداز کے پردے، دیواروں پر پشتوں سے چلی آرہی تصویریں، پرانے انداز کا بک شیلف جس میں صرف کلاسیکی کتابیں، چھت پر لٹکا ہوا خاندانی فانوس اور کاٹھ سے بنے اور کڑھے پھولوں سے مزین پنکھے .....

www.taemeernews.com

پلیٹ، پیالے، چمچے، گلاس وغیرہ اتنے پرانے کہ ان پر ہاتھ لگاتے ہوئے احتیاط سے کام لینا پڑتا۔

ان سب میں سونے پر سہاگہ وہ خادم جو کمرے کی دیکھ بھال اور مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے مقرر تھا۔ اٹھارہویں صدی کا ایک نمونہ، بادشاہ میاں یہ بادشاہ میاں بھی خوب چیز ہیں، نہ روتے نہ ہنستے، بس اپنے کام سے کام جو کہو اس پر فوراً عمل، جو مانگو وہ فوراً حاضر۔ یوں دیکھنے میں قرون وسطیٰ کے کسی خوابیدہ محل کے خواجہ سرا لگتے، لیکن حکم پر دوڑنا وہ خوب جانتے۔

بھاری لمبا لبادہ، بے ترتیب داڑھی، آنکھوں میں گندہ پانی، سر کے بال اگر ہوں گے بھی تو اونچی کلغی دار ٹوپی کی پناہ میں تھے۔

"یار، یہ خادم بھی تم نے خوب چن کر رکھا ہے۔ جیسے بچّوں کی تصویروں والی کتاب سے کوئی تصویر اچانک گر پڑی ہو......"

"نہیں تو یہ پرانی چیزیں کب کی ختم ہو چکی ہوتیں۔ تم تو جانتے ہو ہم آہنگی کتنی ضروری چیز ہے۔"

کمرے کی سب سے اہم چیز وہ گھڑی تھی جو تھی تو بہت پرانی لیکن اطلاع ہمیشہ نئے وقت کی دیتی لکڑی کے ایک بڑے قد آدم فریم میں مزین، جلی حروف میں ہندسے، درمیان میں ایک بڑا سا گھنٹہ جس پر وقت کے اعتبار سے ایک ہتھوڑا اُٹھتا اور ایک زوردار آواز کے ساتھ پڑ جاتا۔ کمرہ ہی نہیں بلکہ ساری فضا گونج اُٹھتی۔ سوئے ہوئے آدمیوں کو بھی وقت کی صحیح اطلاع مل جاتی۔

گھڑی ٹھیک اسی دیوار پہ ٹھہر سی گئی تھی جس کے ساتھ چار کرسیاں لگی تھیں، اس کی پُشت سے ریشم کی ایک ڈوری لٹکتی جسے کھینچ کر اس کے وقت کو آگے پیچھے، صحیح غلط کیا جا سکتا تھا۔ ایک ہلکی سی جنبش سے وقت کی رفتار کو روکا بھی جا سکتا تھا۔ ریشم کی یہ ڈوری کسی نہ کسی ایک کرسی کے پاس آجاتی، اس طرح وہ بڑی آسانی سے ایک مخصوص کرسی والے کے قبضے میں چلی جاتی۔"

"ہم لوگوں نے کبھی یہ سوچا ہے کہ آخر ہم یہاں کیوں اکٹھے ہوئے ہیں ۔۔؟ زندگی میں ہم اور کوئی اہتمام تو نہیں کرتے ۔۔؟"

"بات غور کرنے کی ضرور ہے لیکن ہم نے کبھی اس پر سوچا نہیں۔"

"کیوں نہیں سوچا ۔؟"

www.taemeernews.com

"بس نہیں سوچا، جس طرح اور بہت سی باتیں نہیں سوچیں، اسی طرح ....."

"تو گویا یہ بھی ہماری عادت بن چکی ہے ؟"

"جب کوئی چیز عادت بن جاتی ہے تو اس پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہوتا جیسے .... جیسے ..."

"جیسے جینا ...... جیسے مرنا ......"

"بالکل صحیح کہا تم نے، ایک بات اور ....."

"کیا ــ ؟"

"عادتیں ہماری شخصیت کا ایک حصہ کیوں بن جاتی ہیں۔"

"عادتیں شخصیت کا ہی ایک حصہ ہوتی ہیں۔"

"اس میں صرف یہ ترمیم کر دو کہ عادتیں نہ ہوں تو ہماری زندگی بہک جائے، عادتیں ہی زندگی کو ایک لڑی میں پروئے رہتی ہیں، انہیں خاص نقطوں پر مرکوز رکھتی ہیں۔"

"کبھی کبھی ہم ایسی عادتیں بھی اختیار کر لیتے ہیں جن کا ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا، ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا، ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ انجانے میں ہمارے ساتھ کون سی شئے چمٹ گئی ہے۔"

"بادشاہ میاں، ذرا پانی لانا اور ہاں دیکھنا وہ ذرا ....."

"یار، یہ بادشاہ میاں بھی ......"

"کیا ہوا .... ؟"

"یہی کہ یہاں کی جگہ ہم کہیں اور مل بیٹھیں اور یہ بادشاہ میاں اچانک وہاں پہنچ جائیں تو انہیں دیکھ کر ہم سب بھاگ کھڑے ہوں، واقعی تم نے ہم آہنگی پیدا کی ہے۔ مانتا ہوں استاد تمہیں۔"

"تم نے دیکھا، میرے حصے میں اس وقت کونسی کرسی آئی ہے ؟"

"کیا ہوا ــ ؟ اس میں خاص بات کیا ہے ــ ؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو، یہ کرسی پچھلی بار میرے حصہ میں آئی تھی، ہو سکتا ہے آئندہ پھر آئے۔ اور جو اس وقت میرے پاس ہے وہ ...."

"تم نے اگر اہمیت نہیں دی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے نا کہ کرسی کی اہمیت کم ہو گئی یا ....."

www.taemeernews.com

"چلو مان لیا کہ اس کی اہمیت سے صرف تم ہی واقف ہو، پھر ــــ؟"

"اس ریشمی ڈوری کو دیکھ رہے ہونا ؟"

"ابھی تک میری آنکھوں میں چمک ہے اور میں تاریکی میں بھی دیکھ سکتا ہوں۔"

"تم نے تو اجالے میں بھی کچھ نہیں دیکھا اور نہ تم اس قدر....."

"ذرا ٹھہرو ــــ بادشاہ میاں ذرا یہاں آنا..... کیا پکایا ہے ؟"

"کباب، کوفتے، مرغ، باقرخوانی، پلاؤ، قورمہ...... اور......"

"بس ٹھیک ہے، لیکن اس کا خیال رہے کہ نمک مصالح وغیرہ ٹھیک ٹھیک ڈالے جائیں۔"

"حضور اس سے قبل شکایت کا موقع ملا ہے کیا ؟"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ آئندہ بھی ایسا نہ ہو، ہم لوگ سال بھر میں ایک ہی بار ایسا کھانا کھاتے ہیں نا......"

"حضور یہ عمر کھانا پکانے اور کھلانے میں گزری ہے۔ اب نہ وہ کھانے والے نہ کھلانے والے..."

"اور نہ پکانے والے۔"

"صحیح فرمایا۔ ان آنکھوں نے تو ایسی ایسی ہستیاں دیکھی ہیں حضور کہ ایک نوالے سے خوش ہو کر پوری جائداد بخش دی، پورا مکان دے دیا۔ کھانے کے شوق میں زمینداریاں ختم ہو گئیں، اب کہاں وہ لوگ......"

"بادشاہ میاں، پھر آپ نے کتنی جائدادیں بنائیں، کتنے مکانات ...؟"

"حضور میں تو باکمالوں کی بات کر رہا ہوں۔ میں کہاں کا..... اپنی آنکھوں نے ایسی ہستیوں کو دیکھ لیا۔ یہی بہت ہے۔"

"اور اب آپ ہمیں دیکھ رہے ہو، کیوں ؟"

"حضور کیا کہوں، بس انقلابات ہیں زمانے کے۔"

ــــ "میں ریشم کی ڈوری کو بائیں کھینچ رہا ہوں۔"

"ارے یہ کیا کر رہے ہو ؟ جانتے ہو اس کا نتیجہ ؟"

"نہ ــــ نہیں جانتا، تم بتاؤ۔"

www.taemeernews.com

"بھلا اتنی سی بات تم نہیں جانتے۔ ؟"

"تم بتاتے ہو یا میں ڈوری کھینچوں۔ ؟"

"جانتے تو ہو گے ہی لیکن مجھ ہی سے سننا چاہتے ہو تو سنو۔ دائیں طرف کھینچنے سے وقت کی رفتار بڑھ جاتی ہے اور بائیں طرف کھینچنے سے ..."

"رُک جاتی ہے ــــ یہی نا۔ ؟"

"تم تو جانتے ہی ہو۔"

"لیکن میں ڈوری کھینچوں گا اور ضرور کھینچوں گا۔"

"کیوں ظلم کرتے ہو۔ ؟ ایک یہی چیز تو ہمارے پاس بچ گئی ہے، سو تم اسے بھی برباد کرنے پر تلے ہو۔ ؟"

"ہاں یار۔ تاریخ، دن اور سال تو ہمارے نہیں رہے، ایک یہی وقت بچ جاتا ہے۔"

"آگے بڑھتا ہوا وقت کہو....."

"بالکل۔ اور پھر تمہارا اس میں فائدہ کیا ہے ؟"

"فائدہ ؟ ہر کام فائدہ ہی کے لیے تو نہیں کیا جاتا۔ تم کرہ فضا اور خادم کے ذریعہ وقت کی ڈوری کو جانے بوجھے بغیر پکڑے ہوئے ہو، اس لیے تمہارے ہاتھوں میں کچھ آ رہا ہے کیا۔"

ہم نے ایک خاص وقت، دن، تاریخ اور سال میں جو ابتدا کی تھی کیا اس کی یادگار باقی رکھنے کا حق نہیں ہے ہمیں اور پھر تم کون سے غیر ہو۔ کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ....."

"میرا جی تو بس یہی چاہ رہا ہے کہ اس ریشمی ڈوری کو کھینچ ہی دوں۔"

"میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔"

"میں ایسا کروں گا۔ تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے۔ ؟"

"میں کون ہوتا ہوں ؟ بتاؤں میں کون ہوتا ہوں۔ ؟"

"زیادہ اچھل پھاند کی تو جو کام میں اگلے لمحے کرنے والا ہوں، وہ ابھی کر گزروں گا۔"

"تم ایسا کر کے تو دیکھو۔"

"ہاہاہا۔ تم مجھے روکو گے ؟ کیا واقعی تم مجھے روک لو گے ؟"

www.taemeernews.com

"اور نہیں تو کیا۔ تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو، بڑے تیس مار خاں ......"

"کیا یہ تمہارے خاندان کے کسی بزرگ کا اسم گرامی ہے۔؟"

"بہت ہوگیا اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا' میں ابھی بتاتا ہوں۔"

"چپ چاپ بیٹھ جاؤ پیارے، تم مجھے کچھ نہیں بتا سکو گے کیونکہ تمہیں اس وقت صرف بادشاہ میاں یاد ہیں جنہوں نے کباب بنائے ہیں 'کوفتے ...... پلاؤ ..... مرغ ......"

"کھانے پر ہاتھ صاف کرنے میں سب سے آگے، لیکن اس وقت تو یوں کہہ رہے ہو جیسے آج تک ستو چوکھے ہی پر تو گزارا کرتے رہے ہو؟"

"بھوک کا فلسفہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں سوکھے چنے اور ٹھنڈا پانی بھلا، لیکن بات یہ ہے کہ تم کیا جانو تمہارے سر تو ......"

"ارے چھوڑو یار تم لوگ تو سچ مچ لڑنے لگے۔ لڑنے کے لیے یہی وقت بچ گیا ہے کیا؟"

"تم اسے کچھ نہیں کہتے؟ میں لڑ رہا ہوں؟ تم اسے روک نہیں سکتے؟"

"ارے ارے، تم تو مجھ سے بھڑ گئے۔ اس طرح ہم لوگ آپس ہی میں لڑتے رہیں گے تو پھر.... بھلا چار آدمی بھی سکون کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتے' کمال ہے ......"

"کیوں نہیں بیٹھ سکتے؟ آخر آج تک تو بیٹھتے ہی آئے ہیں، شوشہ تو اس نے چھوڑا' یہ کرسی تو ہمارے حصہ میں بھی آئی تھی اور ڈوری ہم بھی کھینچ سکتے تھے ......"

"یہ تمہاری پرابلم ہے، تمہیں موقع ملا، تم نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"تو تم ڈوری کھینچ کر رہو گے۔"

"بالکل۔"

"لیکن میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔"

"تم میں طاقت ہو تو روک لو۔"

"تو تم صرف طاقت ہی کی زبان سمجھو گے، کیوں۔؟"

"میں کیا دنیا سمجھتی ہے۔ لاٹھی جس کے ہاتھوں میں ہوتی ہے بھینس اسی کی ہوتی ہے نا۔"

"دیکھو مجھے مجبور نہ کرو۔ تم نے میری طاقت کا اندازہ نہیں لگایا ہے۔"

www.taemeernews.com

"ہاہا..... سال کا سب سے اچھا جوک، یعنی تم بھی کچھ ہو اور تمہاری طاقت بھی... ہاہا...."

"سنو، تم مجھے دیکھ رہے ہو نا، اس پر نہ جاؤ، میں کیا کہوں، تمہیں کیا پتہ؟"

"تم کیا ہو پیارے؟ ذرا مجھے بھی بتاؤ نا، کم از کم میں اپنے بچوں کو تو ڈرا سکوں۔"

"یہ میرا کس طرح مذاق اڑا رہا ہے اور کوئی کچھ نہیں بولتا۔"

"تم نے خود ہی اسے مذاق اُڑانے کا موقع دیا۔ جب تم وہ نہیں ہو تو پھر دعویٰ کرنے سے حاصل۔"

"کیا میرے پاس میرا کوئی ماضی نہیں؟"

"نہیں ــ تمہارا ماضی تمہارے گلے میں لٹکی تعویذ کے اندر بند ہے اور تمہاری تعویذ بلاشبہ بہت خوبصورت ہے۔"

"نہیں بھائی میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہی کہہ رہا ہوں، اظہار حقیقت کا نام اگر مذاق اُڑانا ہے تو میں اس کا مجرم ضرور ہوں۔"

"میں تنہا ہوں اس لیے میں اپنے آپ کو ہر طرح سے کمزور و نادار سمجھوں؟"

"ایسی بات نہیں، لیکن اپنے آپ کو یا اپنی بات کو منوانا بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔"

"اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ بھرے بازار میں مداریوں کی طرح کرتب دکھائے جائیں۔ اپنے آپ کو اپنی ذات کے اندر سمیٹ لینے سے ہمیں تشفی ہوتی ہے۔"

"تو پھر جو کچھ ہو، اس پر اکتفا کرو۔"

"بات تم نے چھیڑی تھی۔ یہ ضد تمہاری تھی کہ ڈوری ضرور کھینچوں گا۔"

"میں تو ابھی بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ کرسی میرے حصّے میں ہے اور ڈوری میرے ہاتھوں میں، پھر میں کیوں نہ اسے کھینچوں؟"

"چھوڑو یار، کیا فائدہ، تمہاری ضد سے یہ بھڑک اٹھتا ہے، ختم کرو۔"

"واہ کیوں نہیں؟ میں تو اپنے اختیار کا استعمال ضرور کروں گا۔"

"اس میں اختیار کا کیا استعمال؟ ہاں اسے روکنے میں ضرور اس کا استعمال ہو سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تم بھی اس کا ساتھ دو گے؟"

"یہ تو میں نے نہیں کہا، لیکن فضا کو مکدر کرنے سے کیا فائدہ ــ تمہارا اس میں کوئی فائدہ بھی تو نہیں۔"

www.taemeernews.com

"فائدہ اگر صرف پیٹ میں روٹی پہنچ جانے اور تن پر دھاگے لپیٹ لینے کو کہتے ہیں تو پھر شاید تم صحیح کہہ رہے ہو۔"

"پھر تم ہی بتاؤ، اس میں کیا فائدہ ہے؟"

"تمہیں کچھ نظر نہیں آتا۔؟"

"نہیں، مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ ایک ساتھی اور پرانا دوست ناراض ہو رہا ہے اور بس۔"

"اس سے پوچھو، یہ کیوں ناراض ہو رہا ہے؟"

"تم آگے بڑھتے وقت کی رفتار کو محض اپنی ضد کے کارن روک دینا چاہتے ہو....."

"اس سے پوچھو کہ اس بات سے صرف یہی کیوں ناراض ہو رہا ہے۔؟ آخر تم بھی تو ہو یہاں پر اور تم بھی....."

"ہم کیوں پوچھیں تم ہی پوچھ لو۔"

"صاف ظاہر ہے کہ کہیں نہ کہیں سے کوئی مفاد ضرور پوشیدہ ہے۔"

"لیکن بھائی اگر تم ہی اپنی ضد سے باز آجاؤ تو کیا حرج ہے؟"

"نہ — مجھے وقت نے یہ موقع دیا ہے، میں اس سے فائدہ ضرور اٹھاؤں گا۔"

"جس وقت نے تمہیں یہ موقع دیا۔ تم اسی کو روک دینا چاہتے ہو؟"

"اسی کی رفتار کو....."

"اس وقت نے تمہیں بھی یہ موقع دیا تھا۔"

"لیکن ہم اس کے لیے شرمندہ نہیں۔"

"اور میں اس کے لیے شرمندہ ہونا نہیں چاہتا۔"

"دیکھو یار، بیکار کی ضد چھوڑو اور پرسکون ماحول میں ہمیں وقت گزارنے دو۔"

"بس تو میں ڈوری کھینچتا ہوں، تم پُرسکون ماحول کا انتظار کرو۔"

"آخر تمہیں ضد کیوں ہے؟ تم ڈوری کھینچ کر اپنی کون سی تشفی کرنا چاہتے ہو؟"

"تاکہ یہ بات سب کو معلوم ہو کہ کرسی میرے حصے میں آئی تھی اور ریشم کی ڈوری میرے قبضۂ اختیار میں تھی۔ یہ معاملہ تشخص کا ہے، تمہاری سمجھ میں اگر یہ چھوٹی سی بات نہیں آتی تو میں کیا کروں؟"

www.taemeernews.com

"تشخص ۔؟ کیا کہہ رہے ہو؟ تم نے اتنی بڑی بات سوچ لی ۔؟"

"یہی چھوٹے چھوٹے واقعات آپس میں مل کر ایک بڑا واقعہ بنتے ہیں ۔ ایک بڑا قومی نشان' جو آگے چل کر ہمارے تشخص کی شکل اختیار کرتا ہے ۔"

"پتہ نہیں تمہارے دماغ نے اس وقت کون سے جال میں تمہیں جکڑ رکھا ہے ۔ وقت کی رفتار رک جائے گی اور ہم یہاں گھٹ کر مر جائیں گے ۔ آگے بڑھتا ہوا وقت ہمیں وہ روشنی عطا کرتا ہے جس سے ہمارے اندر کی تاریکی دور ہو جاتی ہے ۔"

"آنے والا وقت تو ایک بند مٹھی ہے' ہم کچھ نہیں جانتے کہ اس کے اندر کیا ہے ۔ ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ماضی ہے ۔"

"تو تم نے بہت پہلے یہ باتیں سوچ رکھی تھیں ؟"

"یہ باتیں میں نے اس وقت سوچی تھیں جب ....."

"لیکن یار' یہ محض اتفاق ہی ہے نا کہ یہ کرسی اس وقت تمہارے حصہ میں آگئی ۔ نہیں بھی آسکتی تھی' پھر تمہاری سوچ کا کیا ہوتا ۔؟"

"میں انتظار کرتا ۔ آخر اتنے دن انتظار ہی تو کرتا رہا ۔"

"واہ بھائی' تو تو بڑا تیز ہے' تو ہم لوگوں کے ساتھ کھاتا پیتا' گپ شپ' تفریح کرتا رہا ۔ ساری مصروفیات میں آگے آگے' لیکن سوچتا بھی رہا اندر اندر ہم لوگ اپنے آپ کو اس وقت کتنا احمق محسوس کر رہے ہیں ۔"

"تو تم بھی اس کے قائل ہو گئے ۔"

"نہیں ایسی بات نہیں' لیکن تم خود دیکھو کہ یہ کتنا گہرا ہے ۔"

"یہ تو تم لوگ دیکھو ۔ ایک غلط بات کو اتنے دنوں اپنے اندر لیے بیٹھا تھا اور تم لوگ ہو کہ....."

"میں نے کہا نا' میں یہ ریشمی ڈوری ضرور کھینچوں گا' بہتر ہے تم لوگ اس مسئلے پر متفق ہو جاؤ اور مجھے ایسا کرنے سے روکو نہیں ۔"

"متفق ہو جائیں ۔؟ تمہارے کہنے پر متفق ہو جائیں' یہی طریقہ ہے اپنی بات منوانے کا' جو تم کہو' وہ صحیح' جو ہم کہیں ....."

www.taemeernews.com

"آپ برائے مہربانی چپ رہئے۔ میں تو ان لوگوں سے کہہ رہا ہوں جو اپنے آپ کو بھول کر تمہاری حمایت کے لیے اپنے آپ کو مجبور پا رہے ہیں۔"

"نہیں یہ بات غلط ہے۔ ہم ہمیشہ سے ایک ہیں اور ایک رہیں گے۔ افسوس ہے کہ ایک ساتھ اُٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے والے کے ساتھ بھی تمہارا یہ رویّہ ہے۔"

"اس سے آپ یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ اسے کیا تکلیف ہے۔ یہ تو خود ہی درمیان میں کُود پڑا۔"

"بات تو سامنے کی ہے ہم لوگ اکیسویں صدی کے دروازے پر کھڑے ہیں اور تم ہو کہ وقت کی رفتار ہی کو روک دینا چاہتے ہو۔ کیا یہ ظلم نہیں؟"

"یہ تو آپ کی بات رہی، لیکن اس کے دل میں تو یہ بات نہیں۔"

"تو پھر کیا ہے میرے دل میں؟"

"بتا دوں؟"

"ضرور۔ ذرا میں بھی تو اپنے دل کا حال جانوں۔"

"تمہیں ڈر ہے کہ تشخص کے سامنے تمہارا تشخص چھپ نہیں جائے گا حالانکہ یہ ایک فطری بات ہے۔ بڑے اور مضبوط تشخص کے سامنے چھوٹا اور کمزور تشخص دب ہی جاتا ہے۔"

"چلو، تم نے یہ مان تو لیا کہ ہمارا بھی کوئی تشخص ہے۔"

"ہر چیز کی اپنی ایک حقیقت ہوتی ہے اور میں حقیقت کو تسلیم کرتا ہوں، تمہاری طرح اسے جھٹلاتا نہیں۔"

"اب بادشاہ میاں کو بلایا جائے، اتنی باتیں ہو گئیں، اب بھوک لگنے لگی ہے۔"

"ہاں، ہاں ضرور لیکن یاد رکھنا، ریشمی ڈوری میرے ہاتھوں میں چھوٹے گی نہیں۔"

"پہلے پیٹ پوجا ہو جائے پھر دیکھیں گے۔"

"میرا خیال ہے بھوک کو دو آتشہ بنانے کے لیے کچھ شغل کر لیا جائے، کسی کو اعتراض تو نہیں۔"

"نہیں اعتراض کیوں ہوگا۔ تم تو یوں دریافت کر رہے ہو جیسے....."

"میں نے سمجھا، بدلے ہوئے حالات میں شاید....."

"اب ایسا بھی نہیں کہ ہم لوگ اپنی روایت سے ہٹ جائیں۔ بادشاہ میاں تو اونگھ رہے ہیں۔

www.taemeernews.com

ایسا نہ ہو کہ وہ تصویروں والی کتاب میں واپس چلے جائیں۔"

"بھئی بادشاہ صاحب، ذرا گلاس لائیے، سوڈے اور برف بھی اور ہاں، آپ کے پاس ہے کیا اس وقت؟"

"حضور جو چیز بھی ہے، آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی، ہم لوگ بڑے لوگوں کی خدمت ہی کرتے آئے ہیں، ان کے مزاج کو خوب پہچانتے ہیں...."

"اچھا تو پھر لے آئیے اور کھانا بھی تیار ہی رہے، ہم لوگ اس کے بعد فوراً کھانا طلب کریں گے۔"

"تیار ہے حضور، بالکل تیار ہے، ہم بڑے لوگوں کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ کب ان کا مزاج کیا چاہتا ہے اور کب وہ کیا چیز طلب کرتے ہیں۔"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔ بادشاہ میاں نے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا، ان سے اچھا خادم ہمیں مل ہی نہیں سکتا ہے۔"

"سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ ہمارے مزاج کو پہچانتے ہیں۔"

"تو جائیے بادشاہ میاں، جلدی سے سامان سرد کیجیے۔"

"یار تم لوگ بادشاہ میاں سے یہ سیوا بھی لیتے ہو، کمال ہے۔؟"

"سب چلتا ہے یار، آخر وہ ایک تنخواہ دار ہیں، وہ سیوا ہی کے تو پیسے لیتے ہیں۔"

"پھر بھی... SENTIMENT کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"SENTIMENT؟.... جذبات کی سلگتی ہوئی ٹکیوں پر جب پیسوں کی سل رکھ دی جاتی ہے نا تو ساری آگ سرد ہو جاتی ہے، سمجھے۔"

"ہو سکتا ہے۔ تمہیں زیادہ تجربہ ہوگا۔"

"بھائیو۔ تیار ہو جاؤ، میں ڈوری کھینچ رہا ہوں۔"

"ارے ذرا ٹھہرو تو یار!، تمہاری ضد بھی خوب ہے، مرغے کی بس وہی ایک ٹانگ، پہلے کھانا تو کھالو، پہلے آتما، پھر پرماتما....."

"چلو اتنا CONCESSION مجھ سے لے لو۔"

"اس میں تمہارا پیٹ بھی بھرے گا اس لیے ورنہ کس کو....."

www.taemeernews.com

"تمہاری بات تسلیم۔ اب جلدی سے کھانا منگواؤ، بھوک بھی چمک اٹھی ہے۔"

"یہاں پر۔؟ نہیں اس کے لیے ڈائننگ ہال ....."

"لیکن ہم تو سب کام یہیں پر انجام دیتے ہیں، یہ ڈائننگ ہال کہاں سے آٹپکا؟"

"بات یہ ہے کہ بادشاہ میاں نے اتنے آئٹم تیار کردیئے ہیں کہ یہ چھوٹا ٹیبل ان سب کے لیے ناکافی ہے، اس لیے ہم نے سوچا....."

"تم نے یا تم لوگوں نے اکیلے یہ بات کیوں سوچ لی، اب تک تو یہی ہوتا آیا ہے کہ....."

"یہ تم کہہ رہے ہو۔؟ تم خود تنہا ایک بات کو پکڑ کر بیٹھے ہو۔"

"تم کیسے یہ بات کہہ سکتے ہو۔"

"تم چپ رہو جی، ہماری بات دوسری ہے، میں نے مایوس ہی ہو کر تو یہ ضد پکڑی ہے۔ پھر اس قسم کے کام میں اگر اتفاق رائے کا انتظار کیا جائے تو اتفاق رائے کبھی نہ ہوگا اور آخر میں کسی کی ضد ہی سے کام چلے گا۔"

"بادشاہ میاں کھانا لگائیے۔"

"لیکن یہیں پر۔ زیادہ چیزوں کے لیے الگ ٹیبل بھی تو لگایا جاسکتا ہے، اس طرح ہم روایت سے انحراف بھی نہیں کریں گے اور....."

"یار ہر بات میں تمہیں ضد کیوں ہو جاتی ہے۔"

"پہلے کھانا، پھر باتیں....."

"ــــ بادشاہ میاں نے کھانا تو بہت مزیدار بنایا ہے، واہ، مزہ آگیا....."

"ان لوگوں کے ہاتھوں کا کھانا..... کیا بات ہے، اس لیے تو سب بڑے باورچی خانوں میں ایک نہ ایک بادشاہ میاں ضرور ہوتے ہیں۔"

"ہاں بھائی ہم پکاتے جائیں، تم کھاتے جاؤ۔"

"واہ لطف آگیا، اگر سال میں ایک بار بھی ایسا کھانا مل جائے تو پورا سال بنا کھائے بھی رہا جاسکتا ہے۔"

"بادشاہ میاں مر گئے تب کیا ہوگا؟"

www.taemeernews.com

"کوئی دوسرے بادشاہ میاں مل جائیں گے۔ ایسے بادشاہوں کی کوئی کمی ہے کیا۔؟"

"اچھا بھائی، اب تو پیٹ پوجا بھی ہوگئی اب تو....."

"کیوں بھائی اگر تم اپنی ضد چھوڑ دو تو تمہارا کچھ بگڑ جائے گا کیا۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں اس کے سبب ہم لوگوں کی آج کی میٹنگ آخری نہ ثابت ہو۔"

"بات ضد کی نہیں بلکہ۔ اب بار بار ایک ہی بات کہنے سے کیا حاصل، بس یہ سمجھ لو کہ مجھے یہ کام کرنا ہے اور ہر حال میں کرنا ہے۔"

"تو تم بھی سن لو کہ میں تمہیں کسی حال میں بھی یہ کام نہیں کرنے دوں گا۔"

"بھائی تم چپ رہو۔ ہاں تو مائی ڈیر تم ڈوری ضرور کھینچو گے۔؟"

"بالکل۔"

"تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ اگر یہ روایت بن گئی تب کیا ہوگا، کرسی تو آج تمہارے حصے میں آئی ہے، کل اس کا آنا ضروری نہیں۔"

"روایت جب تاریخ کا حصہ بن جاتی ہے تو پھر زمانہ اس کا محافظ ہوتا ہے، ہمیں اس فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں۔"

"تاریخ کا کام اگر روایتوں کی حفاظت کرنا رہ گیا تو پھر ہم تاریخ کو....."

"تو پھر تاریخ اور کس کو کہتے ہیں۔؟"

"یہ صرف روایتوں کا پلندہ تو نہیں۔ تاریخ تو عبرت حاصل کرنے کا اعمال نامہ ہے۔ تاریخ کا ادراک یوں پیدا نہیں ہوتا بلکہ....."

"تقریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تاریخ کے بارے میں کچھ جانکاری میں بھی رکھتا ہوں۔"

"جانکاری نہیں پیارے، نقطۂ نظر کہو۔ تم جانکاری رکھتے تو کبھی یہ رویہ اختیار نہیں کرتے۔"

"تاریخ میں کون لوگ زندہ رہتے ہیں؟ وہی ناجو اپنی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔؟"

"میرے ایک سوال کا جواب دو۔ ہٹلر بھی تاریخ کا ایک حصہ ہے اور گاندھی بھی ایک تاریخی کردار ہے۔ دونوں میں فرق ہے کچھ؟"

"بے شک فرق ہے۔ وہی جو ایک بہادر اور بزدل میں ہوتا ہے۔"

www.taemeernews.com

"پھر تو تاریخ تمہارے لئے ردّی کاغذوں کا پلندہ ہی ہے جس سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔"

"میں اپنی تاریخ خود بناؤں گا۔ میں ڈوری کھینچ رہا ہوں۔"

"تم ڈوری نہیں کھینچ سکتے۔"

"اوہ تو تم بھی۔ کیوں تمہیں اس سے کیا تکلیف ہے؟"

"زیادہ نہیں، بس یہ کہ ہم اپنے ایک ساتھی کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتے۔"

"اتنی معمولی سی بات کے لیے تم اپنے تشخص کو قربان کر دو گے۔"

"تشخص۔؟" تم جس چیز کی بات کر رہے ہو نا، وہ محض ایک انفرادی معاملہ ہے تم وقت کی رفتار کو روک کر آنے والی نسلوں کو یہ بتانا چاہتے ہو کہ تم بھی کچھ تھے۔"

"مانتا ہوں، لیکن کیا میرا انفرادی عمل، قومی تشخص کا ایک حصّہ نہیں بن سکتا؟"

"ہرگز نہیں، کیونکہ پوری قوم اس قسم کے دباؤ کو برداشت نہیں کر سکتی، ناتھو رام گوڈسے نے بھی ایک عمل کیا تھا، آج وہ تاریخ میں موجود ضرور ہے لیکن کہاں پر۔؟"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ تم یا تمہارے جیسے لوگ تنہا کچھ بھی نہیں ہیں۔ تمہاری تنہا سوچ پوری قوم کے دھارے کو نہیں موڑ سکتی نہ اسے کوئی دوسری دھارا اختیار کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔"

"آج یہ کرسی تمہارے حصّے میں ہے، کل اس کے حصّے میں آئے گی، پرسوں اس کے، پھر میرے سب اگر تاریخ میں نظریہ سازی پر زور دیتے رہتے تو پھر جانتے ہو، کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا۔؟"

"پہلے یہ بچھڑے گا، پھر تم، پھر یہ، پھر ہم..... پھر کچھ نہیں رہ جائے گا۔ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ تاریخ ایک زندہ شئے ہے جو ہماری طرح سانس لیتی ہے۔ یہ زندہ کرداروں کو ہی اپنے ہاں جگہ دے کر محفوظ رکھتی ہے۔"

"ارے بادشاہ میاں کیا لے کر آگئے۔"

"حضور جب بھی لوگ یہاں سے رخصت ہوتے ہیں تو میں یہ گلدستہ ان کی خدمت میں ضرور پیش کرتا ہوں۔"

www.taemeernews.com

"واقعی بہت خوبصورت گلدستہ ہے۔ آپ نے اس میں مختلف رنگوں کی آمیزش کرکے جو یک رنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، وہ لاجواب ہے، لو بھائی یہ ریشمی ڈوری چھوڑ کے اس گلدستہ کو تھام لو اور پھر بادشاہ میاں کی کاریگری کے قائل ہو جاؤ۔"

"بہت خوبصورت، بہت خوشنما....."

"بادشاہ میاں بہت اچھے خدمت گزار ہیں، اچھا تو بادشاہ میاں....."

— بادشاہ میاں، جلی ہوئی سگریٹوں کے ٹکڑے، خلال کے استعمال شدہ تنکے، جلی ہوئی تیلیاں اور زائل ہوتے ہوئے دھوئیں کے مرغولے اپنے دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے لگے۔

www.taemeernews.com

دیر سے رکی ہوئی گاڑی

گاڑی چلتے چلتے ..... اچانک ..... بالکل اچانک رُک گئی۔
باہر گھپ اندھیرا ..... دُور دُور تک روشنی وغیرہ کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔
شاید کوئی گھنا ویرانہ تھا یا پھر کوئی بیاباں ....
"گاڑی کیوں رُک گئی ..... ؟"
"کسی نے چین تو نہیں کھینچی ..... ؟"
"شاید نہیں ..... ایسا ہوتا تو پھر گارڈ اور دوسرے لوگ ٹارچ لئے نظر آتے ...."
"تو پھر ..... ؟ کوئی آوٹر سگنل بھی تو نہیں ..... ؟"
"اِس سنسان جگہ پر اس طرح گاڑی روک دینے کا مطلب ..... ؟"
"کہیں ٹریک پر کوئی گڑبڑ نہ ہو ..... اس لائن پر تو اکثر یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔"
"کچھ بھی ہو سکتا ہے بھائی ..... سب کچھ ممکن ہے۔ اس علاقے میں تو پوری پوری گاڑی لوٹ لی جاتی ہے، اطمینان سے گاڑی رُکوا کے ..... کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ...."
"ذمہ داری تو ڈرائیور اور گارڈ کی ہے ..... اتنے سارے لوگوں کی جان و مال ...."
"ڈرائیور اور گارڈ کیا کریں گے ..... ہاگ ڈور تو کنٹرول روم میں بیٹھے بابو کے ہاتھ ہے،

www.taemeernews.com

جو بنا سوچے سمجھے کسی لائن پر گاڑی چلا دیتا ہے، کسی لائن پر روک دیتا ہے ....."

"کنٹرول روم میں بند بند اُس کا جی نہ گھبراتا ہوگا، اپنے پرائے کی یاد آتی ہوگی، بیوی بچے .... پھر تنہائی میں اُسے اپنے بھولے بسرے عشق بھی یاد آتے ہوں گے، وہ بے چارہ آخر کرے تو کیا..... ..... شطرنج کی بساط کی طرح ریل کی پٹریاں اس کے سامنے بچھی رہتی ہیں اور وہ ان سے کھیلتا رہتا ہے ....."

"بھلا بتائیے ..... کتنے خاندان، کتنے خواب، کتنے یقین، کتنے مستقبل اور کتنے حال و ماضی کی قسمتیں اُس کی دو انگلیوں کے درمیان پھنسی رہتی ہیں، اس سسٹم کو بدلنے کی کوئی بات ہی نہیں کرتا ....."

"سسٹم کو کیسے بدلا جا سکتا ہے ..... ؟ یہ بھی کوئی کھیل ہے کیا ؟ ارے بھائی ایک سسٹم بنانے اور قائم کرنے میں صدیاں بیت جاتی ہیں، تب کہیں جا کر کوئی چیز زمین پر قدم جماتی ہے، اُسے منٹوں میں یوں اُکھاڑ پھینکنا ....."

"بھائی، اس بات پر کم سے کم کچھ سوچو تو ..... چلو یہ سوچ ہمیں نہیں تو ہماری آنے والی نسلوں کے تو کام آئے گی ....."

"یہ تو خوابوں کی دنیا میں رہنے والی بات ہوئی۔ آج کی عملی دنیا میں ان باتوں کی گنجائش کہاں۔؟"

"یعنی ہم اس لئے نہیں سوچیں کہ اس سے ہماری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچنے والا ..... اگر یہی رویہ ہمارے پُرکھوں کا ہوتا تو آج جس سسٹم کی ہم بات کر رہے ہیں، وہ بھی ہمیں نصیب نہ ہوتا...."

"بہت اچھا ہوتا ..... بہت اچھا ہوتا ..... یعنی یہ کہ پھر جنگل کا سسٹم ہوتا، یوں بھی سارے سسٹموں کو جب جنگل ہی کی طرف جانا ہے تو پھر سیدھے جنگل ہی سہی ...."

"اسٹون ایج کی اہمیت سے ہم انکار تو نہیں کر سکتے نا ..... آخر ساری دھارائیں ہم نے اسی سے تو نکالی ہیں اور یہ تو بالکل اُصول کی بات ہے کہ جو چیز جہاں سے نکلتی ہے وہ پھر اسی کی طرف واپس جاتی ہے ....."

"ارے بھائی ..... ہم اسی قسم کی باتوں میں اُلجھے رہیں گے یا کچھ فکر بھی کریں گے ..... اتنی دیر سے گاڑی یونہی رُکی ہے اور کہیں سے اس کے چلنے کی کوئی سُن گُن نہیں ....."

www.taemeernews.com

"اس کا دل بس ایک ہی ہے ..... ہم میں سے کوئی باہر نکل کر پتہ کرے ....."

"لیکن کون .....؟"

"وہ ..... وہ ..... وہ نہیں ..... آپ ..... آپ بھی نہیں ..... تو پھر وہ ....."

"یعنی کوئی نہیں .....؟"

"واہ صاحب ..... باتیں اتنی گاڑھی گاڑھی اور ....."

"سوال یہ ہے کہ انجان اور سنسان جگہ، کمپارٹمنٹ کا دروازہ بند، اسکورٹ پارٹی بھی کہیں پہ ہے یا نہیں ..... بند دروازے کے باہر کس کے لئے کیا چیز منتظر ہے .....؟"

"بھئی اس قدر ڈر کے رہیں گے تو کام کیسے چلے گا ..... اسی ڈر نے تو ہمیں آج اس نوبت کو پہنچا دیا ....."

"ایسا ہے تو آپ آگے بڑھئے۔ ہم سب آپ کے پیچھے چلیں گے ....."

"یہ بھی خوب رہی ..... جی نہیں مجھے کوئی شوق نہیں لیڈر ریڈر بننے کا، میں اپنی جگہ پر ٹھیک ہوں، جو سب کا حشر ہوگا وہی میرا بھی ....."

"یہی تو سوچ ہے ہمارے دیش کے ان لوگوں کی جو ذرا بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ..... یہ چیز ہماری تاریخ کی سب سے بڑی ٹریجڈی بننے والی ہے ....."

"بھائیو، خدا کے لئے کچھ کرو .... اتنی دیر سے گاڑی رُکی ہوئی ہے اور کوئی کچھ نہیں کر رہا۔ ہم اس بے حسی کے عمل سے اپنی موت کو دعوت دے رہے ہیں، گاڑی لوٹنے والے کہیں پڑے بھی ہوں تو وہ متوجہ ہو جائیں۔"

"خدا کے نیک بندو ..... کسی کے پاس کوئی ٹوٹا پھوٹا ہتھیار بھی ہے .....؟"

"شاید آج کی تاریخ کا سب سے بڑا مذاق ....."

"پانچ سات لٹیرے پوری گاڑی کو لوٹ کر چلے جاتے ہیں، کسی نے ان سے مقابلہ کیا....؟"

"اتنی دیر سے ہم اپنے لٹنے کی بات کر رہے ہیں، کسی نے یہ بھی سوچا کہ جو ڈرائیور گاڑی چلا رہا ہے اور جو گارڈ اپنی جان پر کھیل کر اسے لے چل رہا ہے وہ ....."

www.taemeernews.com

"بات یہ ہے کہ وہ ڈرائیو، گارڈ اور ہم مسافر..... ہم تو اُنہیں پہچانتے بھی نہیں۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے..... یہ تو ہمارے سسٹم کا قصور ہے....."

"یہ سارا سسٹم..... ساری خرابی کی جڑ یہی ہے..... واللہ کیا بات ہے کہ ہم مسافر تو ہیں لیکن اپنے راہ بر نہیں پہچانتے....."

پہچانتے بھی ہوتے تو اس سے ہو کیا جاتا..... ؟ کوئی بہت بڑی تبدیلی تو نہیں ہو جاتی.....؟ ہمارا ان کا فرق تو بہر حال برقرار ہی رہتا...."

"بھائی میں پھر کہہ رہا ہوں، بڑی بڑی باتیں کرنے سے اچھا ہے کہ ہم اپنی ساری توجہ اس پر صرف کریں کہ گاڑی یہاں کیوں رُکی اور آگے کیوں کر چلے گی...."

"کیا گاڑی ہے سالی کہ کہیں سے کوئی مونگ پھلی والا، چنا چور والا، چائے والا بھی نہیں آتا...؟"

"پتہ ہے اس وقت کیا بجا ہے.....؟"

"..... پر یہ لوگ تو چوبیس گھنٹے اپنی ڈیوٹی پر رہتے ہیں، انہیں کچھ بجنے نہ بجنے سے کیا لینا دینا۔"

"گاڑی وغیرہ کے بارے میں صحیح خبر تو یہی لوگ لاتے ہیں ورنہ یہاں کوئی عوامی رابطہ تو ہوتا نہیں..... کس قدر اندھیرے میں ہم لوگ رہتے ہیں..... یعنی اتنے ہزار افراد....."

"اندر اندھیرا، باہر اندھیرا..... واہ رے اندھیرے....."

پتہ نہیں کہاں سے ہانپتا کانپتا ایک مسافر آیا اور دھم سے سیٹ پر گر گیا، سارے باتونیوں کو ایک دم سے سانپ سونگھ گیا۔

"جانتے ہو گاڑی کیوں رکی ہوئی ہے.....؟"

نو وارد پھنکارا۔

"شاید....."

"سب غلط..... آگے کسی نے فش پلیٹ اکھاڑ دی ہے اس لئے، ورنہ ابھی بہت بڑا....."

اس نے اپنی سانسوں پر قابو پا لیا تھا اور اپنی آنکھوں کی دہشت دوسری آنکھوں میں منتقل کر کے پُرسکون ہو گیا تھا۔

www.taemeernews.com

"اُف ..... میرے خدا، ابھی ہم سب کتنے بڑے حادثے سے بچ نکلے ..... خواہ مخواہ ڈرائیور، گارڈ، کنٹرول روم اور سسٹم کو کوس رہے تھے، اسی لئے کہا جاتا ہے نا کہ بے دیکھے سُنے ....."

"بڑے بھائی، آپ کو یہ باوثوق اطلاع ملی کیسے .....؟"

"میں گارڈ کے پاس سے آرہا ہوں نا ..... آپ کو پتہ نہیں گاڑی انٹر کنکٹڈ ہے، میں نے سوچا آپ سب کی کوفت دُور کردوں ....."

"بڑی مہربانی کی ..... بہت کرم ..... اب ذرا لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیجئے کہ آگے چلنے کی اُمید ہے یا ....."

"انتظام ہو رہا ہے ..... جب تک ٹریک ٹھیک نہ ہو جائے، گاڑی آگے کیسے بڑھ سکتی ہے...؟"

"چلو، جان بچی سو لاکھوں پائے۔ منزل پر آج نہیں تو کل پہنچ ہی جائیں گے ....."

ایک مسافر بدحواس صورت ٹوائلٹ سے نکلا۔

"باتھ روم میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ....."

"ارے یہ تو بہت بُری خبر ہے، اب کیا ہوگا، نہ جانے کب تک رُکنا پڑے ....."

"یہ لوگ چاہیں تب بھی کوئی انتظام نہیں کر سکتے ..... اس بیاباں میں پانی کہاں .....؟"

"ہو سکتا ہے کچھ لوگوں کے پاس پینے کا پانی ہو لیکن پھر پیاس کا کیا ہوگا .....؟ بچے بوڑھے بھی ہیں ....."

"سامنے کا جو مسئلہ ہے ابھی اسے حل کرو، آگے دیکھا جائے ....."

کوئی تیار نہیں ہوا پانی کا نام لینے کو۔

"اِس مصیبت کی گھڑی میں بھی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے تو پھر آگے کیا امید رکھی جائے ..... اتنی بڑی بڑی باتیں کس کام کی .....؟"

"دونوں باتیں اپنی جگہ صحیح، ضرورت بھی اہم اور پیاس بھی ضروری، کسی کو الزام مت دو، یہ سوچو کہ تیسرا راستہ کیسے نکلے .....؟"

www.taemeernews.com

"تیسرا راستہ ..... ؟ جیسے ہم پہلا اور دوسرا راستہ طے کر چکے نا' یہ تیسرا راستہ کہاں سے آگیا بھائی ..... ؟"

"یہ بہت لمبی بحث ہے' اس میں اُلجھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا' بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں تسلیم کرلیا جاتا ہے' ہم نے مان لیا' آپ نے مان لیا' بات ختم ....."

"اُف' میرے پیٹ میں بہت درد ہو رہا ہے' خدا کے واسطے کوئی مجھے اس مصیبت سے نکالے ....."

"بھائی ..... ایک آدمی ہماری آنکھوں کے سامنے یوں لوٹ رہا ہے اور ہم ....."

"کیا کر سکتے ہیں ..... ہم مجبور محض ....."

"اے بھائی، تم ایسا کرو' بائیں رُوم چلے جاؤ' ہم جب تک کچھ کرتے ہیں، کہیں سے کوئی اخبار ہی مل جائے، کاغذ کا کوئی ٹکڑا ہی سہی ..... ہم دیکھتے ہیں ..."

لیکن بہت کوشش کرنے کے بعد بھی ہاتھ کچھ نہ آیا۔ اخبار والوں نے اپنے اخبار چھپا دیے اور کاغذات والوں نے اپنے کاغذات دبا دیے' مونگ پھلیاں بیچنے والوں کے اخباری پرزے البتہ بکھرے پڑے تھے، ایک شخص نے جلدی جلدی اُنہیں چُن کر مصیبت میں مبتلا آدمی کے حوالہ کیا جنہیں وہ تیزی سے دبوچ کر بائیں رُوم کی طرف بھاگا۔

"انسانیت کا جنازہ نکل چکا ہے ..."

نیک کام انجام دینے والا آدمی ٹرٹرایا۔

"انسانیت صاحب کی میت اسی گاڑی پر چل رہی ہے نا ....."

"طنز مت کیجئے ..... بھلا بتلائیے کیا ہم اُس مصیبت زدہ شخص کی مدد نہیں کر سکتے تھے، تکلیف سے وہ تڑپ رہا تھا' سوچئے ابھی کیا ہو جاتا' یہ چیز تو ایسی نہیں ہے نا کہ بہت دیر تک روکی جا سکے ..."

"چلئے آپ نے فرض کفایہ ادا کر دیا ..... ہم میں سے کم سے کم ایک آدمی ایسا تو ہے۔ اس ایک آدمی کو برقرار رہنا چاہئے ....."

باہر کچھ لوگوں کے چلنے کی آوازیں ..... ٹارچ کی تیز روشنیاں .....

کمپارٹمنٹ کی بند کھڑکیاں جلدی جلدی کھُلیں۔

www.taemeernews.com

کچھ لوگوں نے ہمت کی تھی۔

"کیا ہوا بھائی .....؟ گاڑی کیوں رُکی ہوئی ہے .....؟"

"پتہ نہیں ..... ابھی تو دیکھ ہی رہے ہیں ....."

فِش پلیٹ والی اطلاع دینے والے بڑے بھائی کو نگاہوں نے بہت ڈھونڈا، نظر نہ آئے۔

"شاید کوئی نئی اطلاع کی تلاش میں ....."

"کچھ لوگ اپنی اہمیت جتانے کے لئے اطلاعات لاتے رہتے ہیں ....."

"ہم سے تو بہتر ضرور ہیں کہ متحرک ہیں ....."

"کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ چہروں کو طرح طرح کی باتوں سے متوحش کرکے طمانیت محسوس کرتے ہیں ....."

"ہم دوسری باتوں میں اُلجھ گئے بھائی ....."

"یعنی .....؟"

"یعنی یہ کہ مسافر کیا کر رہے ہیں، یہ ہمارا مسئلہ نہیں۔ ہمیں منزل تک بخیر پہنچانا جن کی ذمہ داری ہے، ان کے کنڈکٹ ہماری بحث کے موضوع ہونے چاہئیں ....."

"دونوں کے کنڈکٹ ....."

"کیوں ——— ؟ ہمارے کیوں ——— ؟ ہم سفر کر رہے ہیں، اِس میں ہمارا کیا قصور ——— ؟ گاڑی کس وجہ سے رُکی ہوئی ہے، ہم اس بیاباں میں کیا کر رہے ہیں، کچھ کر رہے ہیں یا نہیں ..... یہ سچویشن تو ہم پر تھوپی گئی ہے۔ پرو بلم انہوں کے کریٹ کیا ہے اس لئے اُن کے کنڈکٹ پر باتیں ہونی چاہئیں، بلکہ اُنہیں کنڈم کرنا چاہئے ....."

"انہوں نے پرو بلم کیریٹ کیا ہے یا وہ بھی اس کے شکار ہوئے ہیں، پہلے یہ تو طے ہو جائے۔"

"ایسی ہی بات تھی تو اُنہوں نے پہلے اندازہ کیوں نہیں لگایا، آگے پیچھے، انجام و آغاز کا پتہ کیوں نہیں کیا .....؟ اتنے لوگوں کو لے کر چل رہے تھے تو آخر اُنہیں اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہئے تھی ....."

www.taemeernews.com

اچانک دور سے کچھ شور سا سنائی دیا، کھڑکیاں جلدی جلدی گرادی گئیں، بولٹ دروازے پر ہاتھ پھیرے گئے، دو دو آدمی دروازوں پر کھڑے ہوگئے تاکہ کسی نامعلوم واقعہ کے لئے ہمہ دم تیار رہیں۔ ایک عجیب سراسیمگی کی کیفیت دوڑ گئی۔ لوگ باتیں کرنا بھول گئے۔ آوازیں آتی رہیں۔

لیکایک ایک شخص بڑے زور سے ہنسا۔ گھورتی ہوئی نگاہیں اُس پر ٹک گئیں۔

"ناراض مت ہو میرے بھائیو، بگڑنے کی کوئی بات نہیں، مجھے تم لوگوں کی بزدلی پر ہنسی آگئی تھی....."

"بھائی صاحب آپ ایسا کریں ہم بزدلوں کو یہیں چھوڑ کر ذرا باہر نکلیں اور پتہ لگائیں کہ..."

"کیوں بھائی مجھے کیا پڑی ہے، میں کوئی ولی یا سنت تو ہوں نہیں..... خدا کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی پیغمبر...."

"آپ ہماری بزدلی پر ہنس رہے تھے نا اس لئے....."

"غنیمت ہے کہ صرف میں ہنس رہا ہوں، وہ وقت بھی آنے والا ہے جب آپ خود اپنے آپ پر ہنسیں گے....."

اچانک بند دروازے باہر سے پیٹے جانے لگے، سب سہم کر اپنے آپ میں چھپ گئے۔ ہنسنے والا شخص ایک جھٹکے سے اُٹھا اور دروازے کی طرف جانے لگا۔

"روکو..... خدا کے لئے اُسے روکو..... اس کی نیت شروع سے اچھی نہیں ہے....."

لیکن کسی کے روکنے یا منع کرنے سے پہلے اُس نے دروازہ کھول دیا، تین چار بدحواس صورت اندر داخل ہوئے۔

"کمال ہے صاحب، اتنی دیر سے ہم دروازہ پیٹ رہے تھے۔ کسی کے پاس ڈیٹول، اسپرٹ وغیرہ ہے..... کاٹن.....؟"

"کس لئے.....؟"

"ایک عورت لیبر پین میں مبتلا ہوگئی ہے۔ ہم لوگ ہر ڈبہ میں کچھ مدد ڈھونڈ رہے ہیں....."

"لیبر پین.....؟ اس ویرانے میں.....؟"

"تو اس کے لئے کوئی مخصوص جگہ ہے کیا.....؟"

www.taemeernews.com

"سب قصور اس سسٹم کا ہے جس نے ہمیں یوں ساکت و جامد کر دیا ہے، پتہ نہیں کتنے لیبر پین اس میں پوشیدہ ہوں گے، اس کا احساس ہے کسی کو.....؟"

کوئی مدد نہیں ملی اور وہ دوسرے ڈبہ کی طرف بڑھ گئے۔

"اُونہہ .... خدائی فوجدار ......"

ایک عورت کی گود کا بچّہ چیخ پڑا۔ اس سے تھوڑی زیادہ عمر کے سبھی بچّے رونا دھونا، بسورنا، ضد کرنا، مچلنا وغیرہ بھول کر سہمی چڑیا کی طرح چپکے بیٹھے ان گنت سوالیہ نگاہیں اپنے ماں باپ پر ڈال رہے تھے جو اُن کی تاب نہ لا کر سب کی باتیں سننے کی کوششوں میں خواہ مخواہ مصروف تھے۔

وہ بچّہ باتوں، خیالات اور سوچ میں مخل پڑا تو پڑتا ہی چلا گیا۔

"چُپ کرائیے بہن جی .... اس کے حلق میں خراشیں پڑ جائیں گی ......"

"کہیں بھوکا نہ ہو .... ؟ اسے پانی پلایا ہے نا .... ؟"

ماں باپ نے بہلانے کی بہت کوشش کی، طرح طرح کے وعدے، گھر پہنچ کر مٹھائیاں دلانے کی لالچ، وغیرہ وغیرہ، اُسے چُپ ہونا تھا نہ ہوا۔ کچھ لوگوں نے اپنے طور پر بھی کوشش کی، اسے لے کر ٹہلے بھی لیکن .....

"یہ بچّہ آج کا انسان ہے ......"

ہنسنے والے شخص نے دھیرے سے کہا لیکن سب نے سُن لیا اور سب کی غصیلی نگاہیں برچھی کی طرح اس پر گڑنے لگیں۔

"یہ کیا تُک ہے ..... ؟"

"تُک ...... ؟ تُک کس بات کا ...... ؟ ٹرین رُکنے کا، ہماری خیال آرائیوں کا، اس بچّے کے رونے کا، آپ کے ذریعہ اس کو بہلانے کا .... تُک کیا چیز ہوتی ہے ؟ تُک .... ؟"

"بھائی صاحب، اگر آپ واقعی خاموش نہیں رہ سکتے تو براہ کرم دوسرے ڈبہ میں تشریف لے جائیں ......"

"کیوں ...... ؟ کیا یہ ڈبہ کوئی اپنی جاگیر میں لکھوا کر لایا ہے کہ میں اسے چھوڑ کر چلا جاؤں۔

www.taemeernews.com

میں نے ٹکٹ خریدا ہے اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس لائن میں سفر کرنے والے زیادہ تر لوگ ٹکٹ نہیں خریدتے اور باتیں بڑی بڑی کرتے ہیں ....."

"یہ شخص بہت آگے بڑھ رہا ہے ..... کہیں یہ کوئی غیر ملکی ایجنٹ نہ ہو .....؟"

"یہ بہت دیر سے انتشار پھیلانے والی باتیں کر رہا ہے۔ اِس نے ہمارے اندر مایوسی پیدا کرنے کی کوشش کی، اس نے ہمارے منع کرنے کے باوجود دروازہ کھول دیا، وہ تو محض اتفاق تھا کہ ....."

"سانپ کو ہمیشہ پھن اٹھانے سے پہلے ہی ....."

"مارو ..... مارو ....."

ہنگامے میں زور زور سے دروازہ پیٹا جانا دب گیا، وہ تو جب نعل سے جی آر پی کے مسلح افراد گھسے تو ان لوگوں نے ہنگامہ کرنے والوں کو دو چار تھپڑ لگائے اور پیٹنے والے شخص کو اپنے گھیرے میں لے لیا تب ہی وہاں قرار آیا، اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے، جسم پر کئی جگہ زخم رِس رہے تھے اور وہ بے حد خوف زدہ تھا۔

"یہ ہم لوگوں میں انتشار پھیلانے کی ....."

"ہم میں مایوسی پیدا کرنے کی ....."

——— "یہ تو کوئی سنگین جرم نہیں، آپ نے قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوشش کی ———؟"

"اِس کا تعلق غیر ملکی ایجنسی سے ہے ....."

"واہ ..... لگتا ہے بیٹھے بیٹھے آپ سب کا دماغ سرک گیا ہے، اخباروں میں جو کچھ پڑھتے ہیں، اُنہیں ایک غریب نہتے پر آزما دیا۔ آپ سب اپنے نام پتے بتائیے، آپ نے ایک آدمی کی جان لینے کی کوشش کی ....."

"بہت خوب دروغہ جی ..... واہ، یہی بات اخبار میں چھپے اور کسی بڑے منہ سے نکلے تو سچی، ہم پکڑ بھی لیں تو ایک دم ..... اسی لئے تو ہمارا دیش اتنا بچھڑ رہا ہے ....."

"نیتا جی، آپ کی جگہ یہ تھرڈ کلاس کمپارٹمنٹ نہیں، کاؤنسل کا ممبر ہے، آپ غلط جگہ پر پائے

www.taemeernews.com

جارہے ہیں....."

"نیتا لوگ کوئی آسمان سے نہیں ٹپک جاتے حضور، انہیں تھرڈ کلاس کمپارٹمنٹ، گلیوں اور نالیوں سے اُٹھتے ہیں....."

"باپ رے..... اِس گاڑی نے تو یہاں رُک کر قانون کی پوری پوری کتاب چھاپ دی ہے، اِس کا یہاں دیر تک کھڑے رہنا خطرے سے خالی نہیں....."

"جاتے جاتے یہ تو بتا دیجئے کہ آخر گاڑی یہاں کیوں رُکی ہوئی ہے..... آپ قانون کے رکھوالے ہیں، آپ کو تو صحیح جانکاری....."

"اِس کے لئے جن لوگوں کو مقرر کیا گیا ہے اور جو اس بات کی تنخواہ پاتے ہیں، آپ اُن سے دریافت کیجئے....."

"حضور ایک آدھ سپاہی تو یہاں چھوڑ جائیے، سنسان جگہ ہے، کوئی ایسی ویسی بات....."

"ہر جگہ سیکوریٹی فراہم کرنا ممکن نہیں ہے نا..... ویسے ہم آس پاس ہی رہیں گے...."

——— "جانتے ہو، اب یہاں ڈاکہ بھی پڑ جائے تو یہ نہیں آنے والے، کیوں کہ وہ اپنی ڈیوٹی انجام دے چکے....."

"اگر سونگھنے کو ڈیوٹی کہتے ہیں....."

"یعنی یہ کہ حد ہو گئی بھائی..... اتنی دیر سے گاڑی یہاں کھڑی، اتنے لوگوں کی جان و مال اتنی آسانی سے داؤ پر اور کسی کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی..... یعنی بے حسی کی بھی انتہا..."

"کون بے حس.....؟ ہم، آپ، سب لوگ، گاڑی کے ذمہ دار، اُس کے یہاں ٹھہرائے جانے کے ذمہ دار، سماج، سرکار..... آخر کون ہے وہ جس کے سبب ہمیں یہ پریشانیاں جھیلنی پڑ رہی ہیں.....؟"

"فی الحال تو بے حس وہ لوگ ہیں جو..... دراصل یہ چیز بھی موقع مصلحت کے مطابق اپنے رنگ بدلتی ہے....."

"ہمیں تو کچھ پتہ ہی نہیں....."

"سبب تو ظاہر ہے..... سبب....."

www.taemeernews.com

"سبب نہیں، اسباب ..... اتنے کہ ہمارے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ واقعی ....."

"آسان سی بات ہے ..... بہت ہی آسان اور معمولی ....."

"بتائیے، بتائیے ..... آپ کو پتہ تھا تو اب تک آپ نے بتایا کیوں نہیں .....؟"

"بات تو سامنے کی ہے ....."

"تو بتا کیوں نہیں چکتے .....؟"

"آپ تسلیم نہیں کریں گے نا ....."

"آپ کوئی مسخرے یا نیتا .....؟"

"نہیں جی ..... نہ میں کوئی مسخرا نہ نیتا ....."

"حرکتیں تو آپ کی ....."

"کیا کروں، مجبوری ہے، آپ بھی تو ان حرکتوں کے بغیر مانتے نہیں نا .....؟"

"صاحب، آپ کو بتانا ہے یا نہیں .....؟ کیوں ہمیں پریشان کرتے ہو بھائی، ہمارا وقت ....."

"وقت .....؟ کیا خوب ..... جو چیز آپ کے پاس ہے ہی نہیں، جو چیز آپ سے بہت پہلے چھینی جا چکی، اُس کی دہائی ....."

"یوں نہیں بلکہ یوں کہ اُسے ایک بھاری بہت بھاری بوجھ بنا کر ہم پر لاد دیا گیا اور ہم اُس میں اس قدر دب گئے کہ کراہ بھی نہیں سکتے ....."

"نہیں، بلکہ ہم سے ہمارے قیمتی ووٹ کا، اگر وہ واقعی قیمتی ہے، احساس چھین لیا گیا اور اب ہم بے حسی کے عالم میں مُردوں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں ....."

"بھائی، یہ وقت بھاری بھاری علوم کے مظاہرے کا نہیں بلکہ پتہ لگانے کا ہے کہ آخر یہ گاڑی ....."

"وہ صاحب کدھر گئے جنہوں نے کہا تھا کہ اس کا سبب ....."

"شاید باتھ روم ....."

"یہی ہوتا ہے ..... ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے، جس کے پاس جانکاری ہوتی ہے وہ ہمیشہ ....."

www.taemeernews.com

"بھائی میں یہیں ہوں ..... میں باتھ روم گیا ضرور تھا حالانکہ وہ انسٹی ٹیوشن بھی ہمارے لئے بیکار ہو چکی ..... اور دوستو' میں کوئی ایسا جانثار بھی نہیں کہ بے بس ہو کر پناہ ڈھونڈنے لگوں... میں تو بھائی ....."

"آپ نے فرمایا تھا کہ ....."

"ہاں ..... ہاں بھائی، وہ تو میں اب بھی کہہ رہا ہوں ..... بہت سیدھی سی بات ہے، ہم آپ سب مل کے چلیں اور پتہ لگائیں ....."

"بس ..... یہی بات تھی جس کے لئے آپ اتنی دیر سے....؟"

"آپ اسے معمولی بات سمجھتے ہیں ..... ؟"

"یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کیا ـــــ ؟"

"آرہی تھی تو اب تک آپ نے اسے انجام دینے کی زحمت گوارہ کیوں نہیں کی .....؟"

"بوڑھے، بچے، عورتیں اور مال واسباب سب کو چھوڑ کر.....؟"

"تو گویا دنیا نے آپ کے پیر پکڑ لئے ..... ؟"

"دُنیا .....؟"

"ہاں بھائی اور کیا ـــــ ؟ آپ نے ہماشما کی باتوں پر یقین کر لیا اور ساری باتوں نے مل کر آپ کو بے یقینی اور بے ثباتی کے سمندر میں ڈھکیل دیا ....."

"اُف ..... بھائی آپ کی طرح ہمارے دماغ میں بدّہ نہیں اتنی گاڑھی گاڑھی باتوں کو ہضم کرنے کا ..... ایک تو ہماری جان پہلے سے نکلی ہوئی ہے، بقیہ کسر آپ نے پوری کر دی.... اتنی اُمید دلادی اور پہاڑ کھودا تو نکلا کیا ـــــ ؟"

"چوہا ..... ہم سب چوہے ہیں دوست، آپ چاہے نہ مانیں ..... ہم وہ چوہے ہیں جو اپنے ذہنوں کے بلوں میں سو چکے ہیں اور اسی وقت جاگیں گے جب چوہے مار دوائیں ہمارے بلوں میں ڈالی جائیں گی..... اس وقت ہمارے سبھی راستے مسدود ہو چکے ہوں گے...."

"آج کوئی راستہ کھلا ہے کیا ـــــ ؟"

"آج ہم نے اپنے راستے خود بند کئے ہیں، کل کوئی دوسرا بند کرے گا اور پھر کوئی

www.taemeernews.com

راستہ کُھل نہیں سکے گا ..... کبھی نہیں ....."

" چلو مان لیں کہ ہم یہاں نکل چلتے ہیں، آگے چل کر ہمیں پتہ بھی چلے کہ اس کے رُکنے کا کیا سبب ہے ..... پھر ..... ؟ پھر کیا کریں گے ہم .....؟"

" معقول وجہ ہوگی تو چُپ ہو رہیں گے ورنہ اوپر والوں سے اس کی شکایت کریں گے ....."

" واہ بھائی صاحب ..... باتیں اتنی اونچی اونچی اور ..... شکایت کریں گے۔ لیکن کس سے .....؟"

" تو اور آپ کے بس میں ہے بھی کیا ..... ؟ ان لوگوں کا ایک الگ شعبہ ہے شکایات درج کرنے کا جس کو استعمال کرنے کی توفیق نہیں ہوتی ہمیں ..... اگر وہاں شکایتوں کی بھرمار ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں ....."

" آپ کو شاید پتہ نہیں مہاشے کہ شکایت کی کھڑکیوں پر مکھیوں، کیڑوں مکوڑوں، جالوں اور دفتروں پر کتوں، بلّیوں کا قبضہ ہو چکا ہے، آپ جیسی، ہمارے جیسی اب کوئی شئے وہاں نہیں پائی جاتی..."

" محاورتاً .....؟"

" جی نہیں، حقیقتاً ..... اِس کا مطلب ہے آپ صحیح معنوں میں ایک انٹیلیکچول ہیں ....."

" نہیں بھائی ..... اتنا بڑا الزام ....."

" باتیں تو آپ بہت خوبصورت کرتے ہیں ..... بالکل ایک انٹیلیکچول کی طرح ....."

" آپ نہیں جانتے۔ جب ہم کسی مصیبت میں گھرتے ہیں اور ہمارے راستے مسدود ہو جاتے ہیں تو ایک جاہل اور بے وقوف بھی انٹیلیکچول جیسی باتیں کرنے لگتا ہے ....."

" یہی وجہ ہے نا کہ ہمارے ہاں کتابوں کا پروڈکشن بہت زیادہ ہے، رسالوں اور اخباروں کی بھرمار، سمیناروں اور لکچروں کا غلغلہ ..... نتیجہ .....؟"

" وہی جو سامنے ہے ..... گاڑی بہت دیر سے رُکی ہوئی ہے اور ہم انٹیلیکچول سطح کی باتوں پر اُتر آئے ہیں ....."

" ہے کوئی خدا کا بندہ جو باتوں اور صرف باتوں کو چھوڑ کر کھانے پینے کی کچھ فکر کرے ....؟"

" خوانچہ والوں کی ساری چیزیں ختم ہو چکی ہیں اور وہ سب کسی گوشے میں بیٹھے تاش کھیل رہے

www.taemeernews.com

ہوں گے اور پانی ..... ؟ ٹوائیلٹ کے لئے تو ہے نہیں، پینے کے لئے کہاں سے ؟"

"سب لوگ بھوکے پیاسے مرجائیں گے اور ان سب کا خون ..... ؟"

"گردن ہماری ہے تو خون بھی ہماری گردن پر ہوگا نا ..... ؟"

"آس پاس کہیں آبادی ضرور ہوگی، کچھ کھانے پینے کی چیزیں ....."

"بھائی ایسا ہوتا تو اب تک ....."

"اِس کا مطلب ہے ..... اس کا مطلب ہے ....."

"کوئی مطلب نہیں ..... سیدھی سی بات یہ ہے کہ ہم اس وقت تک باتیں کرتے رہیں گے جب تک یہ گاڑی چل نہیں پڑتی ....."

"اگر کوئی بھوک پیاس یا کسی اور وجہ سے مرنا چاہے تو مرجائے ..."

"مرنے کی وجہ نہیں، بہانے کی ضرورت ہوتی ہے ....."

"بھائی ..... کم سے کم ایک چیز کا فیصلہ تو کرلیں، منزل پہ پہنچ جائیں تو کچھ ایسا ہو کہ اِس قسم کا واقعہ پھر نہ ہو ....."

"یعنی ..... ؟"

"کمال ہے صاحب ..... آپ جانتے نہیں کہ منزل پر کبھی یکجا نہیں ہوا جاتا، وہ تو حالات ہوتے ہیں اور سچویشن جو ہیں ....."

"اس کا مطلب ہے ہمیں کچھ نہیں کرنا ..... جو کچھ ہو رہا ہے بس اسے ہونے دینا ہے ....."

"اگر آپ کے بس میں کچھ ہے تو بسم اللہ ..... ہم روکنے والے کون ..... ؟"

"یعنی یہ کہ ....."

پھر اچانک سناٹا چھا گیا، جملہ پورا کرنے کی تاب کسی میں نہ تھی۔

www.taemeernews.com

گھوڑ دوڑ

انہوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھڑکی بند کی۔

دھوپ کی تیز چمک آنکھوں کو اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے پردے کھینچ دیئے۔ کمرے میں کسی قدر تاریکی چھا گئی اور سکون کا احساس ہونے لگا۔ انہوں نے شال کو اور اچھی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لیا اور آرام کرسی پر گر سے گئے۔ جی تو چاہ رہا تھا کہ لحاف اوڑھ کر مسہری پر لیٹ جائیں لیکن پھر اس میں سے نکلنا ممکن کہاں تھا۔ رات کا کھانا' عبادت اور سونے سے پہلے کے معمولات وغیرہ کیسے ادا ہوتے۔ زندگی تو بندھے ٹکے معمولات کو کہتے ہیں نا۔

جاتے ہوئے جاڑوں کی دھوپ میں بیٹھنا انہیں کتنا اچھا لگتا تھا۔ سرد ہواؤں کے ساتھ دھوپ کا لطف دوبالا ہو جاتا۔ جہاں دھوپ کاٹنے لگتی' وہاں دھوپ آڑے آجاتی۔ دھوپ اور ہواؤں کا یہ کھیل انہیں ہمیشہ سے بہت پسند تھا لیکن انہوں نے زندگی کو اتنے تیز رفتار گھوڑے کے پیچھے باندھ دیا تھا کہ ان چیزوں سے لطف اٹھانے کی ان کے پاس فرصت ہی نہیں تھی۔ انہیں تو گرمیوں کی صبحیں بھی بہت اچھی لگتیں اور گرمیوں کی شامیں .....

سورج آگ برسا کر رخصت ہوتا اور دن بھر کے مارے باندھے ہوئے لوگ بلبلا کر باہر نکل آتے۔ پھر صحن جیسا بھی ہو' اس میں چھڑکاؤ ضروری تھا۔ دھوئی ہوئی چوکی پر سفید چاندنی کا بستر' چاروں طرف

www.taemeernews.com

اندھیرے کی حکمرانی اور دیر رات تک دوستوں کے ساتھ گپ بازی۔ اس وقت تاریکی کتنی اچھی لگتی تھی، اگر کسی ضرورت سے لمحہ بھر کے لیے روشنی کی جاتی تو کتنا ناگوار گزرتا۔

اور برسات کے دن تو بھلائے نہیں بھولتے۔ چاروں طرف ہریالی، نشہ آور منظر، چڑیوں کی چہکار، رِم جھم رم جھم کرتی، شوخیاں بھرتی، اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی بارش کہ جس کے کبھی تیز، کبھی مدھم قطرے کپڑوں سے ہوتے ہوئے جسم پر لپٹ جاتے اور پھر جسم کی گرمی انہیں یوں جذب کرلیتی کہ پتہ بھی نہ چلتا وہ کہاں گئے۔ ہزار بارش ہو، مگر گھر میں بند ہونا کتنا کٹھن لگتا۔ بڑے بوڑھے منع کرتے، بارش میں بھیگنا بیماری کو دعوت دینا ہے، باہر مت نکلو، لیکن کون سنتا ہے فغانِ درویش۔ بارش میں بھیگنے پر بیماری آتی اور منٹوں میں چلی بھی جاتی۔ مضبوط جسم میں اس کے لیے جگہ کہاں تھی۔ اب بھلا بیماری کے ڈر سے چاروں طرف ناچتے ہوئے، کودتے ہوئے، اُچھلتے ہوئے اور موتیوں کی طرح برستے ہوئے پانی سے کون دور رہتا؟

زندگی میں اور بھی بہت کچھ تھا۔

رنگ برنگے پھولوں کو دیکھ کر ایسا لگتا جیسے زندگی میں اب کہیں کوئی کمی باقی نہیں رہی۔ ان پھولوں کے خوشنما رنگ آنکھوں کو بھاتے، ان کی خوشبو روح میں اتر جاتی، جی چاہتا ان پھولوں کو بس دیکھتے رہو۔ انہیں چھونے کو جب دل چاہتا تو اندر سے کوئی آواز آتی کہ نہیں نہیں میلے ہو جائیں گے، نہ انہیں چھوؤ، نہ انہیں توڑو۔

خوشبوئیں تھیں۔ طرح طرح کی خوشبوئیں، پھولوں سے چھنتی ہوئی خوشبوئیں، جوان عورتوں اور خوبصورت لڑکیوں کے جسموں سے نکلتی ہوئی خوشبوئیں۔ خوشبو کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ بس جسم پر اچھی طرح اسپرے کرلو اور .....

انہوں نے جاتے ہوئے جاڑوں کی سرد ہواؤں بھری دھوپ، برسات کے دنوں کی ٹھنڈی پھوار، گرمیوں کی سرمئی شامیں، پھولوں کے حسن، بے خود جوانیوں کے لمس اور خوشبوؤں کی بے خود لہروں سے لطف اٹھانے کا کام اس وقت تک کے لیے اٹھا رکھا تھا جب تک زندگی اس کے لیے انہیں فرصت نہ دے دے اور وہ خود اس پر قابو نہ پالیں۔

ان کی زندگی کی گاڑی کو کھینچنے والا گھوڑا بہت تیز دوڑ رہا تھا۔ آس پاس بھی بے شمار گھوڑے دوڑ رہے تھے اور سب اس کوشش میں تھے کہ کس طرح آگے نکل جائیں اور دوسروں سے بازی مار لے

www.taemeernews.com

جائیں۔ گھوڑے بے چارے پوری طاقت سے دوڑ رہے تھے، پھر بھی ان پر رہ رہ کر چابک پڑتے۔ وہ تیز تیز دوڑنے کی کوشش میں سرپٹ بھاگے جا رہے تھے، نہ انہیں آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھنے کی فرصت تھی اور نہ ان کے ساتھ بندھی ہوئی زندگیوں کو۔ جاڑوں کی دھوپ بار بار آئی اور اسے سرد ہوائیں اڑا کر لے گئیں۔ برسات کی بے شمار ٹھنڈی پھواریں بھاپ بن کر اڑ گئیں۔ گرمیوں کی کتنی سرمئی شامیں تاریکیوں میں کھو گئیں۔

پھول کھلے، پھر مرجھا گئے۔ ان کی خوشبودار لہروں کو وصول کرنے والا کوئی نہیں تھا کیوں کہ ساری زندگیاں تو گھوڑوں کے ساتھ میدان میں دوڑ رہی تھیں اور مردوں کو ان چیزوں سے کیا کام۔؟

ظاہر ہے کہ جو دوڑتے ہیں وہ منزل پر پہنچ ہی جاتے ہیں اور منزل پر پہنچ کر یہ کون دیکھتا ہے کہ کیا کھویا۔

بس یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیا پایا۔

پانے کے معاملے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

انہوں نے ترقی کی سیڑھیاں تیزی سے طے کیں اور بہت کچھ حاصل کیا۔ خوبصورت بیوی، ہونہار بچے، شاندار گاڑی، رہن سہن کا اعلیٰ معیار، بینک بیلنس، عزت ..... شہرت..... وقار ..... سبھی کچھ تو تھا ان کے پاس .....

گھوڑے اب تھم گئے تھے، جن مضبوط رسیوں سے ان کے ساتھ زندگی کو باندھا گیا، وہ رسیاں گھس گئی تھیں، ڈھیلی پڑ گئی تھیں اور خود بخود ٹوٹنے لگی تھیں۔ ان کے گھوڑے کو تو کوئی دوسرا باندھ لے گیا تھا اور وہ تنہا رہ گئے ان چیزوں کا حساب کرنے کو جو وہ نہیں پا سکے تھے۔ ساری زندگی وہ صرف پانے کا حساب کرتے رہے تھے اور ایک مطمئن شخص کے طور پر انہوں نے زندگی کی آخری منزل میں قدم رکھا تھا۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ یہاں زندگی نے ان کے لیے ایک بالکل انوکھا کھاتہ کھول رکھا ہوگا۔

اس شام انہوں نے رم جھم پھواریں برستی دیکھیں تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے۔ برسوں کی دبی کچلی خواہش اچانک عود کر آئی، وہ دوڑ کر صحن میں آ گئے اور بچوں کی طرح اچھل اچھل کر بارش میں نہانے لگے۔

گھر والوں نے حیرت سے انہیں دیکھا اور پکڑ کر اندر لے آئے۔ انہیں گرمانے کا جو سامان بھی مہیا ہو سکتا تھا، وہ سب کام میں لایا گیا۔ پھر ڈاکٹروں کی ٹیمیں..... بارش میں دیر تک بھیگتے رہنے کے

www.taemeernews.com

سبب انہیں تیز بخار نے آلیا اور نمونیہ ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ سب حیران تھے کہ آخر ایک اچھے بھلے، سنجیدہ، باوقار، عمر رسیدہ شخص کو بلا کسی وجہ کے یوں بھیگنے کی کیا ضرورت آن پڑی۔

کافی پریشانی جھیلنے کے بعد وہ کسی طرح صحت یاب ہوئے، لیکن اسے صحت کہاں تک کہا جا سکتا تھا، وہ تو اب کھونے کی راہ پر نکل پڑے تھے۔

جاتے ہوئے جاڑوں کی ہواؤں بھری دھوپ کا نظارہ اب وہ بند شیشے کے اندر ہی سے کر سکتے تھے۔ ان پر بال بچوں اور نوکروں چاکروں کی زبردست نگرانی تھی۔ کوئی چھوٹا سا روزن بھی کھلا رہ جاتا تو سب دوڑ پڑتے۔ کبھی کبھی انہیں ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ کسی تجربہ گاہ کے مرتبان میں گردن گردن عرق میں مقید ہیں۔

گرمی کی سرمئی شاموں میں جب آسمان آگ برسا کر دم لیتا تو ان کا بہت جی چاہتا کہ وہ بھی اس شام کی ٹھنڈک سے محظوظ ہوں لیکن سخت پہرہ داری اور بستر پر گر جانے کی خود ان کی اپنی وحشت انہیں ایسا کرنے سے روکے رہتی اور انہیں بجلی کے پنکھے پر اکتفا کرنا پڑتا۔

اور تو اور خوشبو تک سے، اس عمر میں انہیں الرجی ہو گئی، ادھر خوشبو کی لہر ناک میں گئی، ادھر چھینکیں شروع، اور خوبصورت عورتیں۔۔۔

بستر پر لیٹے اور مرتبان میں بند بند انہیں وہ خوبصورت عورتیں اور لڑکیاں بہت یاد آتیں جنہیں وہ اپنی زندگی کے گم نام موڑوں پر چھوڑ آئے تھے۔ ان کی جوانی کی تصویریں گواہ تھیں کہ وہ اس وقت بہت وجیہہ تھے، لنگلا قد اور اچھی قامت، مردانہ وجاہت اور اعلیٰ ترین لباس زیب تن کیے، لڑکیاں ان پر ٹوٹ پڑتیں۔ کوئی عورت ایسی نہیں تھی جو دوسری بار مڑ کر انہیں نہ دیکھے۔ وہ ملک ہی نہیں دنیا کے شہروں میں گھومتے اور مختلف رنگوں کی عورتیں ان کی نگاہوں سے گزرتیں۔ دنیا خوبصورتی سے بھری پڑی تھی، انہوں نے خود ہی اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں اور احساسات پر تالے لگا دیئے تھے۔ حالانکہ جوانی اور حسن کی قربت سے ان کا دل بھی دھڑکتا اور جسم میں سنسنی پھیل جاتی لیکن جس مستعدی نے انہیں گھوڑوں کے ساتھ باندھ رکھا تھا، وہ انہیں لہو و لعب کی ہرگز اجازت نہیں دیتی تھی۔

اس روز نرس نے اپنے خوبصورت مرمریں ہاتھوں سے دوا کا گلاس آگے بڑھایا تو کیسی زبردست خواہش بیدار ہوئی کہ ذرا سا، بس اک ذرا سا اس کی انگلیوں کا لمس مل جائے۔ لیکن نرس محتاط تھی اور ان کے ہاتھوں میں اتنا دم باقی نہیں رہا تھا کہ خود بے باک ہو جائیں۔ ادھیڑ بن میں کئی روز گزر گئے، دوا

www.taemeernews.com

روز پینا تھی اور خواہش بھی روز ہمکتی ۔

اس روز سب بہت پریشان ہوئے جب اچانک ان کے دل کی دھڑکن بہت بڑھ گئی، سارے جسم پر تشنج کی کیفیت طاری ہوگئی، کسی کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ اتنی احتیاط اور دیکھ بھال کے باوجود ایسا کیوں ہوا، ڈاکٹروں کی پلٹن بدلی گئی۔ اس عمر میں فالج کے حملے کا خطرہ بھی تھا۔ بدن اتنا تیز دوڑا تھا کہ اس کا انگ انگ ڈھیلا ہوگیا تھا۔

وہ سب کی گھبراہٹ کا چپ چاپ تماشہ دیکھتے رہے۔ اس راز سے صرف وہی واقف تھے کہ اس روز بالکل غیر ارادی طور پر ان کے کانپتے ہاتھوں پر نرس کے لمس کے خوبصورت پھول آگرے تھے، انہیں پکڑنے کی کوشش میں ان کی یہ درگت بن گئی تھی۔ وہ سنجیدگی سے محسوس کر رہے تھے کہ ساری ریشمی ڈوریاں ان کے ہاتھوں سے پھسل چکی ہیں اور انہیں پکڑنے کی کوشش جان لیوا ہوسکتی ہے۔

یہ دنیا اس وقت بھی بہت خوبصورت تھی، جب وہ اس میں دوڑ رہے تھے۔ پہاڑوں، ندیوں، باغوں اور جھیلوں سے بھری ہوئی بستیاں، برف پوش اور گل پوش وادیاں، پہاڑی جھرنے، شفاف پانی..... لوگ مصروفیتوں سے بھاگ کر ان وادیوں میں چلے جاتے۔ خواہش ان کی بھی بہت ہوتی لیکن وہ کیا کرسکتے تھے، اگر سبھی گھوڑے اتنی دیر کے لیے تھم جاتے تو شاید وہ بھی رُک سکتے تھے لیکن وہاں تو دوڑ کا جنون سب کے سر میں سمایا ہوا تھا۔ یہ معاملہ بھی اور بہت سی خوبصورت باتوں کی طرح فرصت کے اوقات کے لیے ملتوی ہوگیا تھا۔

کمرے کو ٹھنڈا اور گرم کرنے کی مشین لگی ہے، وہ بڑا ڈبہ بھی رکھا ہے جس میں کئی روز تک کھانے صحیح حالت میں محفوظ رہتے ہیں۔ نہ گرمی کی تپش کا احساس نہ سردی کی شدت کا، پھر بھی گل پوش وادیوں میں یونہی مارے مارے پھرنے کا لطف کہاں..... سبھی حسرتیں تو دل ہی میں رہ گئیں۔ اب تو کمرے کے ٹمپریچر میں پل بھر کی کوتاہی بھی قابلِ برداشت نہیں، دیواروں پر کشمیر، شملہ، دارجلنگ، مسوری، نینی تال، کوڈی کنال، مہابلیشور، وغیرہ کے خوبصورت اور دل فریب مرغ زاروں کی تصویریں آویزاں ہیں، اتنی زبردست اور گھمسان دوڑ کے بعد جو چیزیں ہاتھ آئی ہیں، وہ بس یہی نقشے ہیں۔ سخت نگرانی میں تیار کیا ہوا، بدمزہ کھانا سامنے آتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ فوراً کھڑکی سے باہر پھینک دیں، بغیر مرچ مسالے کی اُبلی ہوئی سبزیاں اور گرم پانی میں بھگوئے ہوئے پھلکے..... صرف زندہ رہنے کے لیے یہ کھانا ہے

www.taemeernews.com

اور اس لیے بھی کہ اس کے بعد بے شمار دوائیں کھانی ہیں۔

کبھی کبھار دبی زبان سے کسی خوشبودار کھانے کی فرمائش کردی تو جیسے قیامت آگئی۔

"یہ جو اتنی مہنگی دوائیں دی جارہی ہیں' ان کا کیا ہوگا؟"

"آپ کا معدہ ہرگز اس لائق نہیں۔"

"ہم لوگ اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتے۔"

"آپ پہلے اچھے تو ہوجائیں....."

تیز رفتار دوڑ نے جو کچھ انہیں زندگی میں دیا تھا وہ کس بے رحمی سے واپس لیا تھا کہ وہ اندر تک لہولہان ہوگئے تھے۔ اور لوگ تھے کہ انہیں شیشے کے مرتبان میں ہمکتے دیکھ کر بہت خوش ہورہے تھے۔

دیر تک بیٹھے بیٹھے وہ تھک گئے تو لحاف اوڑھ کر لیٹ رہنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہا۔

ہمت ہوگئی تو پھر اُٹھیں گے معمولات ادا کرنے۔

تیز رفتار گھوڑوں نے منزل تک پہنچنے کی للک میں راہ میں آنے والی بہت سی قیمتی چیزوں کو یوں روند دیا تھا کہ اب اتنی سی تکلیف برداشت کرنا انہیں بہت کٹھن نہیں لگ رہا تھا۔ کرب کے ایک شدید احساس کے ساتھ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

---

www.taemeernews.com

ثوابِ جاریہ

مؤذن رونے لگا تھا۔

زیادہ سے زیادہ دو مہینے ..... دو چار ہفتے، دو چار دن ..... یہاں تک کہ دو چار گھنٹوں میں چلتے نظر آتے زیادہ تر مؤذن۔

شاید ایک غیر یقینی صورت حال اُنہیں منظور نہ ہوتی یا پھر اور کوئی بات .....

شاید یہی اور کوئی بات گفتگو کا موضوع بنتی۔

مسجد کی کوئی مستقل آمدنی نہیں تھی، ہر گھر سے پانچ دس روپے جمع کیے جاتے اور ہر جمعہ کو لوگ رضا کارانہ طور پر صفوں کے درمیان اپنی ٹوپیاں لے کر گھوم جاتے۔ انہیں پیسوں سے امام اور مؤذن کے مشاہروں کی ادائیگی ہوتی۔ گھر گھر سے باری باری دو وقت کے کھانے آجاتے۔

مغلوک الحال مؤذن نے بتایا۔

"مسعود بابو نے بکری کا چارہ لانے کو کہا تھا، میں نے کہا ابھی جاؤں تو مغرب کی اذان نہیں دے سکوں گا، بس اسی بات پر ....."

"بس اسی بات پر .....؟"

"انہوں نے مجھے دھکے دیے، مارا اور پھر نوکری سے بھی ....."

www.taemeernews.com

"وہ کون ہوتے ہیں نکالنے والے اور اُنہوں نے مارا کیوں .....؟"

کئی تیز آوازیں .....

مسعود صاحب اندر وظائف میں مشغول تھے۔ شور سن کر لپکے ہوئے باہر آئے۔

"کیا بات ہے .....؟"

وہ جیسے بالکل انجان تھے۔ لمحہ بھر کو خاموشی ..... ایک نوجوان اپنی ٹوپی ٹھیک کرتے ہوئے آگے آیا۔

"آپ نے موذن کو مارا، پھر نوکری سے بھی ....."

"ہاں نکال دیا، لیکن آپ ....؟"

مسعود صاحب نے چشمے کے اندر سے نوجوان کو سر سے پاؤں تک گھورا۔

"آپ نے اس غریب کے ساتھ کیوں .....؟"

وہ کچھ زیادہ ہی تیزی دکھانے لگا۔ بقیہ خاموشی نیم رضا .....

"میں ایسے بے ہودہ شخص کا وجود برداشت نہیں کرسکتا ....."

مسعود صاحب کا سکون قابلِ تعریف تھا۔ اس بات سے تو سب واقف ہی تھے کہ وہ مسجد کمیٹی کے صدر تھے۔

"اور پچھلا مؤذن .....؟"

لوگوں کو یاد آیا کہ .....

"وہ نافرمان تھا ....."

مسعود صاحب نے جلبی سے جواب دیا۔

"اور اس سے پہلے والا .....؟"

یادداشت اچانک عود کر آئی تھی۔

"دیکھئے، میں کسی عدالت کو جواب دہ نہیں ہوں، یہ مسجد ہے، کوئی چنڈوخانہ ....."

اب مسعود صاحب کو غصہ آگیا۔

"خدا کا گھر ..... کسی کی پرائیوٹ پراپرٹی نہیں ہے۔ اس کی کمیٹی ہم سب نے مل کر

www.taemeernews.com

بنائی ہے ....."

اشتعال بڑھ گیا۔

"تو پھر آپ ہمیں کمیٹی سے ہٹا دیجئے ....."

مسعود صاحب کا روایتی پُرسکون انداز واپس آگیا۔

"جی ہاں ..... ایسا کرنا ہی پڑے گا ....."

اُس روز مسجد میں جو ہنگامہ ہوا، وہ غیر معمولی تھا اور وہ بھی محض ایک مؤذن کے واسطے۔

تیسرے دن مسجد میں ایک رقعہ لگا تھا۔

ایک خاص گروپ پر اقتدار کا ناجائز استعمال، اقربا پروری، من مانی، تاناشاہی .....

خدا کے منادی مؤذن کو دو کوڑی کا آدمی سمجھا گیا۔ کتابوں میں درج ہے کہ قیامت کے روز مؤذن کا درجہ سب سے اونچا ہوگا، وہ اذان دیتا ہوا اُونچے درجے طے کرتا جائے گا۔ اگر لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور اپنی گندی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے رہے تو ان کے خلاف زبردست تحریک چھیڑی جائے گی ..... وغیرہ وغیرہ۔

محمود عالم اندھیرے منہ مسجد آتے تھے ..... اذان سے بھی قبل ..... سب سے پہلے اُنہیں کی نگاہیں رقعے پر پڑیں۔ وہ آگ بگولہ ہوگئے، تیز لہجے میں انہوں نے مؤذن کو آواز دی۔ وہ نیم غنودگی کے عالم میں دوڑا آیا۔

"یہ کس نے ..... اسے کس نے یہاں لگایا .....؟"

وہ دھاڑے۔

مسجد کا گنبد گونج اُٹھا۔

یہ گونج جمعہ کی نماز میں اذان کے وقت پیدا ہوتی تھی۔

مؤذن کی تو گھگھی بندھ گئی۔ دو روز قبل ہی اس کی بحالی ہوئی تھی۔

"میں تو ....."

وہ بولتا بھی کیا ..... مسجد میں کون آتا ہے اور آکر کیا کرتا ہے، باریک بینی سے ہر شے پر نظر رکھنے کی اُس میں صلاحیت ہی کہاں تھی۔ محمود عالم بھی جانتے تھے کہ اُس پر غصہ نکالنا

www.taemeernews.com

دیوار پر ٹکے مارنے کے برابر ہے۔ انہوں نے رقعہ لگانے والے کو جی بھر کے بُرا بھلا کہا۔ اسی روز انتظامیہ کی طرف سے مسجد میں ایک اعلان نامہ چسپاں کیا گیا کہ مسجد میں نماز کے بعد کسی کو ٹھہرنے، وظائف ادا کرنے اور نوافل وغیرہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اذان کے بعد مسجد کھولی جائے گی اور جماعت ادا کرنے کے پندرہ منٹ بعد بند کر دی جائے گی۔۔۔۔

لیکن تیسرے دن پھر ایک رقعہ پایا گیا۔

پُرانی باتیں، انتظامیہ جانب دار ..... رجعت پسند ..... خدا کا گھر..... جیب میں ..... مسجد کو ان ناپاک عناصر سے پاک کرنا بہت ضروری .....

قوم و ملت کو ہر قربانی دینے کو تیار رہنا چاہیے۔

اس دفعہ رقعہ کو سب سے پہلے مسعود خاں نے دیکھا۔ وہ سخت آدمی تھے اور کسی کی غلطی کو نظر انداز کر دینا ان کی ڈکشنری میں شامل نہیں تھا۔ وہ جہاں بھی رہے، اُنہیں کوئی اہم انتظامی عہدہ ضرور سونپا گیا۔ اس کے سبب ڈسپلن کا بول بالا رہتا۔ اس کا تقاضا تھا کہ قصور کے لئے ذمہ دار شخص کی نشان دہی کی جائے۔ اِس وقت اس چوکھٹے میں مؤذن کے علاوہ اور کون فٹ ہو سکتا تھا۔

اُسے صبح صبح چلتا کیا گیا۔

صبح کی نماز میں یوں بھی کتنے لوگ آتے تھے۔

لیکن دوپہر ہوتے ہوتے یہ بات پھیل گئی۔ چھٹی کا دن تھا، محلّے کا ہر نکڑ اور دالان خوب گرم رہا۔ یہ گویا ایک چیلنج ہی تھا۔

"ہمیں جہاد کرنا ہوگا ..... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ....."

"جہاد .....؟ کس سے جہاد .....؟؟ یہ تو .....؟"

"جہاد کا صرف ایک ہی مقصد تو نہیں ہوتا۔ نفس کے خلاف بھی جہاد ہوتا ہے، یہاں تو اللہ کے گھر ہی کو اپنے نفس کے اظہار کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے ....."

"مسجد کو آخر ان لوگوں نے ہتھیایا کیسے .....؟"

"کمیٹی ..... کمیٹی نے اُنہیں مسجد کا مالک بنایا، کسی کو صدر، کسی کو سکریٹری، کسی کو ....."

www.taemeernews.com

"کمیٹی کے لئے یہی لوگ رہ گئے تھے .....؟"

"آخر یہ کمیٹی ہے کیا بلا .....؟"

"وقف بورڈ بناتا ہے اور پھر کمیٹی اپنی مجلس عاملہ ....."

"وقف بورڈ کو کون بناتا ہے .....؟"

"حکومت ....."

"اور حکومت کو .....؟"

آگے کا جواب شاید کسی کے پاس نہیں تھا اس لئے گفتگو کا رُخ پھر مسجد، من مانی اور بدعنوانیاں .....

طے پایا کہ بعد عصر، مسجد میں یہ سوال اُٹھایا جائے۔

عصر میں حاضری معمول سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ سلام پھیرتے ہی ایک شخص کھڑا ہوگیا۔

"دعاؤں کے بعد مسجد میں درس قرآن ہوگا۔ نمازیوں سے درخواست ہے کہ اس میں ضرور شریک ہوں ....."

دعاؤں کے بعد کچھ لوگ صحن میں نکل آئے اور کچھ درس قرآن میں حلقہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔

"تلاوت کلام پاک کا سننا فرض ہے جب کہ پڑھنا ....."

صحن میں کھڑے کچھ لوگوں کو احساس ہوا کہ شاید اُنہوں نے کچھ غلط کام کر دیا ہے، کچھ حلقے میں جا کر شامل ہوگئے، کچھ چپکے سے باہر نکل گئے۔

ضروریات کی ادائیگی بھی تو فرض ہے۔

مغرب کی نماز کے بعد درس حدیث کا معمول تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد ایک مسکین صورت مؤذن دکھائی دے گیا۔ وہ کچھ زیادہ ہی ہوشیار تھا۔ نماز کے بعد کچھ لوگوں نے اُسے باہر ہوٹل میں چائے پینے کی دعوت دی جسے وہ بڑی خوبصورتی سے ٹال گیا۔ صبح کی نماز کے بعد وہ جو غائب ہوا تو پھر ظہر کے وقت ہی اُس کی آواز سُنائی دی۔

پھر عصر میں .....

پھر .....

www.taemeernews.com

یہاں تک کہ وہ گھر گھر کھانا مانگنے بھی نہیں گیا۔ اس دفعہ شاید مؤذن کو پبلک پراپرٹی بننے سے بچانے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔ اب مؤذن کو بڑے لوگوں ہی کے ہاں کھانا تھا اور فاضل اوقات میں ان کے گھر کے بچوں کو پڑھانا .....

یہ احتیاط کچھ دنوں تک کارگر رہی۔

اچانک ایک دن پھر رقعہ پایا گیا ..... وہی رقعہ .....

اتفاق سے اس رقعے پر بھی سب سے پہلے جس شخص کی نگاہ پڑی وہ مسعود خاں ہی تھے۔ انہوں نے چپ چاپ رقعہ اتار کر جیب میں رکھ لیا۔ اس سلسلے میں مؤذن کے ساتھ انہوں نے کیا معاملہ کیا، اس کی خبر کسی کو نہ ہو سکی۔

برسر اقتدار گروپ کا مطلب ..... چار آدمی، صدر، سکریٹری، نائب سکریٹری اور خازن ..... امام صاحب کی حیثیت خصوصی مدعو کی تھی اور مؤذن کی .....؟

مسعود خاں ..... خاں صاحب، اپنے زمانے کے نامی وکیل ..... سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو بالکل سچ میں بدل دینے میں ماہر ——— کتنے نامی مجرموں، قاتلوں اور لٹیروں کو پھانسی کے پھندے سے صاف اُتار لائے اور کتنے بے گناہوں، معصوموں کو ناکردہ گناہوں کی سزا دلوادی...

اس میں ان کا کیا قصور ——— ؟ وہ نامی وکیل کیسے بنتے اور کسی بھی مقدمے میں ان کی پیروی کامیابی کی ضمانت کیوں کر قرار پاتی ۔ خاں صاحب نے دونوں ہاتھوں سے دنیا بٹوری، خوب نام کمایا، خوب دولت کمائی۔ جب گھر میں، جیب میں، بینک میں، لاکرس وغیرہ میں پیسے رکھنے کی تل بھر جگہ نہ بچی تو وہ اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ داڑھی رکھ لی، شرعی کرتا پاجامہ، فیشن ایبل کالونی میں اپنا خوبصورت اور ماڈرن مکان بال بچوں کے لئے چھوڑ دیا اور محض پانچ وقت نماز مسجد میں باجماعت ادا کرنے کی خاطر اپنی آبائی حویلی میں اُٹھ آئے۔

یہ تھے مسجد کمیٹی کے صدر جناب مسعود خاں۔

سکریٹری محمود عالم ..... ریٹائرڈ انجینئر اِن چیف محکمہ آب پاشی ..... پیسہ، عزت اور شہرت گویا گھر کی لونڈیاں ..... ہمیشہ اپنی پسند کی جگہ پر تعینات رہے اور سدا منسٹروں، سکریٹریوں کو اپنی جیب میں رکھا، کہاوت مشہور تھی کہ عالم صاحب کی مرضی کے بغیر محکمہ آب پاشی میں

www.taemeernews.com

پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ محکمہ آب پاشی ہندوستان جیسے خدا کی مرضی پر چلنے والے ملک کے لئے کیا اہمیت رکھتا ہے' اس سے کچھ وہی واقف ہیں جو سیلاب اور قحط جیسی آسمانی بلاؤں کو جھیلتے رہتے ہیں۔ ہر سال اِن دونوں آفتوں سے نمٹنے کے لئے عوام کی جیبوں سے بے حساب پیسے نکل جاتے لیکن ..... آسمانی بلاؤں کو بھلا کون ٹال سکا ہے۔

مگر انسان کو بنتے دیر نہ بگڑتے دیر ..... محمود عالم کو دیکھ کر بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ لمبی داڑھی' ہاتھوں میں تسبیح' جسم پر شرعی کرتا پاجامہ' سر پر ٹوپی' آنکھوں میں سُرمہ اور ہونٹوں پر ہر دم شفیق مسکراہٹ رکھنے والے صاحب مدرسہ اور مسجد سے آگے کی کوئی چیز رہے ہوں گے۔

مرضیٔ مولا ——— !

نائب سکریٹری چودھری وحید الدین ..... اکسائز کمشنر کے عہدے سے ابھی حال ہی میں ریٹائر ہوئے تھے۔ وقت تھا جب چہار دانگ عالم میں طوطی بولتا تھا' کوٹھیوں' جائداد' کاروں اور بینک بیلنس وغیرہ کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ بال بچے دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں بسیرا کرتے۔ یہ خود بھی کبھی ایک پاؤں اُدھر' کبھی اِدھر کے مصداق بنے رہے' پھر دل میں کیا سمائی کہ حج کر آئے' اس کے بعد نہ امریکہ میں جی لگا نہ فرانس میں ——— اپنے شہر' اپنے محلے میں آبسے' پرانے خاندانی مکان کو ایک نیا رُخ دیا اور مسجد کے ایسے پنج وقتہ نمازی بنے کہ اللہ دے اور بندہ .....

خازن ..... کانوں سنی نہیں' آنکھوں دیکھی کہنے والے ابھی ہزاروں موجود تھے کہ انور بریڈ کی بیڑیاں اور حقّے کا خمیر ایسا نشہ' جس میں نہ صرف ملک بلکہ دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ مبتلا تھا۔ ملک بھر میں اِن کی فیکٹریوں کا جال بچھا ہوا تھا اور ہر اُس شہر میں گودام جہاں غربت و افلاس زیادہ .....

اور اپنے ملک کا کون سا شہر ایسا نہیں .....؟

پہلے ——— بہت پہلے انکم ٹیکس والوں کی بدمعاشی سے ان کے ہاں چھاپہ پڑا تھا تو ٹرکوں روپے' سونے چاندی اور غیر ملکی زرمبادلہ وغیرہ کا ہفتوں چرچا رہا تھا۔ یہ سب تو اب بہت کم لوگوں کو یاد ہے۔ ان کی فیکٹریاں اب بھی خوب چل رہی تھیں اور ان کے سبھی گودام آباد

www.taemeernews.com

تھے اگرچہ ان کی باگ ڈور انہوں نے اپنے بیٹوں کے ہاتھوں میں دے دی تھی جو بزنس مینجمنٹ کی بڑی بڑی ڈگریاں لے کر باہر سے آئے تھے، انور صاحب نے تو اب مسجد کا کونہ پکڑ لیا تھا مزاج میں البتہ کچھ طنطنہ ابھی تک باقی تھا۔ اُنہوں نے مسجد کے کونے میں تکّے سے لایا ہوا خوبصورت سُرخ مخملیں جائے نماز بچھا رکھا تھا، اس پر صرف وہی بیٹھ سکتے تھے، کوئی انجان آفت کا مارا، خدا کا گھر سمجھ کے اُس پر بیٹھ جاتا تو بیچارے مؤذن کی شامت آجاتی .....

اُس نے منع کیوں نہیں کیا .....

اس چکر میں بھی کئی مؤذن اپنی نوکریوں سے ہاتھ دھو چکے تھے۔

تو یہ تھے جناب سراج انور۔

ان چار تیز دانتوں کے درمیان ایک کمزور سی زبان ..... مولوی عبدالرحمٰن، امام مسجد ..... امام صاحب نے بڑھاپا بس ایک ہی حلیے میں کاٹ دیا تھا۔ وہ کلام پاک، میلاد شریف اور اردو کے تینوں قاعدوں کا ٹیوشن بھی کرتے اور مسجد کی ایک کوٹھری میں پڑے رہتے۔ محلے کی دو تین نسلوں میں دین کے سلسلے میں جو تھوڑی بہت واقفیت دکھائی دیتی، وہ اُنہیں کی مرہون منت تھی۔ زمانے کے بڑے اُتار چڑھاؤ انہوں نے دیکھے لیکن یہ آخری مرحلہ ان کے لئے خاصا پریشان کُن ثابت ہو رہا تھا۔ پڑھے لکھے لوگ اب اُن کے مقتدی تھے جو ذرا ذرا بات میں میں میکھ نکالتے ..... زیر زبر ..... ق ک، ش س ..... رکوع میں پورے طور پر جھکے یا نہیں، سجدہ سہو واجب ہوا یا نہیں وغیرہ وغیرہ... بیچارے امام صاحب کو پھر سے نماز کا قاعدہ پڑھنا پڑا۔

ابھی تک تو وہ اِس میدان کے بے تاج بادشاہ تھے۔

کچھ دنوں تک معاملہ کچھ یونہی رہا، کسی کی طرف سے کوئی بال نہیں آیا۔ اچانک محسوس ہوا کہ اب صرف رمضان کے نمازی اور محرم کے سپاہی نہیں رہے۔ مسجد کا ہال، سائبان اور صحن نمازیوں کے لئے ناکافی تھے، عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں تو شامیانے لگانے پڑتے، لہٰذا مسجد کی توسیع بہت ضروری تھی۔ صحن پر ایک سائبان اور چھت پر ایک منزل کی تعمیر ہو جاتی تو فی الحال کام چل سکتا تھا۔ مسجد کی کوئی مستقل آمدنی نہیں تھی۔ عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں

www.taemeernews.com

صفوں میں گھومنے کے علاوہ مدرسوں اور مسجدوں کے لئے دوسرے شہروں میں چندہ جمع کرنے کا جو دستور تھا، اُسے کمیٹی نے یہاں لاگو نہیں کیا تھا۔

امام صاحب نے جمعہ کے خطبہ میں اس طرف اشارہ کیا کیا کہ نکڑوں، چائے خانوں اور دالانوں پر فوراً بحث و مباحثے کے دروازے کھُل گئے۔ خلاصہ یہ تھا کہ مسجد کی تعمیر میں جو پیسہ لگے وہ قوم و ملّت کا..... اِس قسم کی تعمیر ثوابِ جاریہ کا سبب بنتی ہے اور قرینہ اغلب ہے کہ ملّت کی ترقی اور اس پر آئی ہوئی بے شمار آفتوں کے سدباب کا وسیلہ بن جائے، اس لئے ملّت کے بیٹوں کو چھوٹی بڑی رسیدوں کے ساتھ دور دراز میں پھیل جانا چاہیئے اور تن من دھن سے مسجد کی تعمیر میں لگ جانا چاہیئے۔

کچھ نے تو جوش میں آکر رسیدیں چھپوانے کے آرڈر بھی دے دیے اور یہ بھی طے کرلیا کہ کس کو کہاں جانا ہے۔

برسرِ اقتدار طبقہ کیا سوچ رہا تھا، اِس کا کسی کو پتہ نہیں تھا، قیاس یہی تھا کہ اجازت کے بغیر تو امام صاحب نے ذکر کرنے کی ہمت نہیں کی ہوگی۔

رسیدیں چھپ کر آگئیں، کچھ جیالوں نے رختِ سفر بھی باندھ لیا، لیکن دُور دُور تک نہ تو ہری جھنڈی کا پتہ تھا نہ پیٹھ پر شاباشی کا ہاتھ رکھنے والے ہاتھ کا.....

پھر چہ میگوئیاں .....

اعلان کروا کے، رگوں میں خون دوڑا کے ..... خاموش کیوں .....؟

اپنی بالادستی .....

امام صاحب کو عصر کی نماز کے بعد چائے پینے اور بیڑی پھونکنے کی عادت تھی، معمول کی ادائیگی کے بعد وہ واپس مسجد چلے آتے۔ مغرب کا وقت بھی تو قریب آجاتا۔ رمضان شریف میں بھی وہ سب سے پہلے اپنا یہی معمول ادا کرتے، پھر افطار نوش فرماتے۔

امام صاحب جیسے ہی نکلے، لوگوں نے اُنہیں گھیر لیا۔ باہر تو اللہ کا گھر نہیں تھا وہاں بات چیت کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔

امام صاحب نوکیلے سوالوں اور تیکھے تیکھے جملوں سے یوں گھیر لئے گئے کہ بچارے

www.taemeernews.com

ایک دم گھبرا ہی تو گئے۔ وہ بیچارے تو خود ہی کمزور وکٹ پر تھے، ہاں، مؤذن کی طرح بے وقوفی کی حرکتیں کرنے پر ذلیل نہیں کیے جاتے، پھر اُنہیں برسر اقتدار گروپ کے ساتھ بیٹھ کر چائے وغیرہ پینے کی اجازت تھی۔ پانچ وقتوں کی امامت کے علاوہ جمعہ کا خطبہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس پر انہیں بہت ہوشیار رہنا پڑتا اور دین و آخرت کا ذکر کر کے اپنی باتیں ختم کرنی پڑتیں، اگر سکریٹری کا حکم ہوا تو مسجد سے متعلق کچھ ضروری اعلانات اور بس .....

"بھائی، مجلس منتظمہ جب مناسب سمجھے گی، مسجد کی توسیع میں ہاتھ لگا دے گی ....."

اُنہوں نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"یہ اللہ کا گھر ہے، کسی کی ذاتی جائداد نہیں ....."

"مجلس منتظمہ بھی تو آپ ہی لوگوں کی بنائی ہوئی ہے ....."

"خدمت گار ..... مالک نہیں ....."

"انتظار کیجئے، جلد ہی کوئی فیصلہ ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ ....."

امام صاحب کے لئے اُن لوگوں کے درمیان زیادہ دیر تک گھرے رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا، کچھ لوگوں نے اُنہیں روکنے کی کوشش بھی کی۔

حالانکہ امام صاحب زندگی بھر بھی رُکے رہتے تو بھی گول مول باتوں سے آگے نہیں جا سکتے تھے۔

وہ چلے گئے تو اصل پنچایت بیٹھی۔

"..... مسجد کی تعمیر میں اللہ کے بندوں کا خون، پسینہ اور پیسہ نہیں لگا تو وہ کوئی عمارت ہو سکتی ہے، اللہ کا گھر نہیں ....."

"یہ تو ثواب جاریہ ہے۔ اس کی تعمیر میں ایک پائی بھی لگی تو قیامت تک اس کا صلہ جاری رہے گا ....."

"پھر .....؟"

"پھر یہ کہ یہ ملت بلکہ پوری اُمت مسلمہ کو بہت بڑے ثواب سے محروم رکھنے کی بہت بڑی سازش ہے ..... ثواب جاریہ سے ....."

"دنیا میں تو گھاٹا نفع کا سودا ہوتا رہتا ہے، لیکن یہ تو دینی مسئلہ ہے، ہماری عاقبت کا۔"

www.taemeernews.com

"مسجد تو جیسے اِن کی ..... انہوں نے تو وہاں اپنے گھر کی سجاوٹ کی ساتوچیزیں لگا رکھی ہیں ..... طغرے، گھڑیاں، مکہ مدینہ کے خوبصورت مناظر، قالین، جائے نماز..."

"بھلا امریکہ، انگلینڈ کے گھروں میں طغرے اور جائے نمازیں رہیں گی، پھر مونالیزا، الزبتھ ٹیلر اور روم کے کھنڈرات کی تصویریں وغیرہ کہاں رہیں گی .....؟"

"یعنی ..... یعنی ..... ان کے لئے طغرے اتار دیے گئے اور ....."

"کیا کہہ رہے ہو .....؟ یہ لوگ تو بڑے گنہ گار ہیں ....."

"بس ایک ہی حل ہے اِن باتوں کا ..... اِنہیں مسجد سے بے دخل کرنا چاہیے ..... من مانی کی انتہا کر دی ہے اِنہوں نے ....."

"لیکن کمیٹی ..... کمیٹی نے بنایا ہے انہیں ..... باقاعدہ چنا ؤ ہوا ہے ان کا..."

"تو .....؟"

"کمیٹی ہی ....."

"کمیٹی کے سارے ممبر تو ان لوگوں کی جیب میں رہتے ہیں ....."

"پتہ ہے ..... قیمت مقرر ہے ان سب کی۔ باری باری ہر جمعرات کو صدر، سکریٹری اور خازن کے ہاں پُلاؤ قورمہ بنتا ہے۔ یوں نمک چٹانے کا انتظام ہے ....."

"ہم لوگ کمیٹی کے ممبر بن جائیں ..... تو کیا ہم سب بھی .....؟"

"ہم کیوں جائیں گے اُن کے ہاں پلاؤ کھانے .....؟"

"اگر اُنہوں نے دعوت کی .....؟"

"ہم قبول نہیں کریں گے ....."

"لیکن دعوت قبول کرنا تو سنت ہے ...."

"اللہ نیت دیکھتا ہے نا ....."

"تو پھر .....؟"

"اصل میں یہ بحث ہی فضول ہے۔ نہ ہمیں کوئی ممبر بنا رہا ہے نہ دعوت دے رہا ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ مسجد کو کیسے بچایا جائے ....."

www.taemeernews.com

"جمہوری طریقے سے وہ مان لیتے ہیں تو ٹھیک ـــــ ورنہ پھر اور کوئی طریقہ اختیار کرنا ہوگا..."

"جمہوری طریقہ .....؟"

"ہڑتال، گھیراؤ، بھوک ہڑتال وغیرہ وغیرہ ....."

"لیکن ....."

"لیکن کیا .....؟"

"یہ سب تو گاندھیائی طریقے ....."

"ارے، فرق کیا پڑتا ہے ـــــ ہم یہاں رہتے ہیں تو یہاں کے طور طریقے کو اپنائیں گے نا ـــــ"

"اب مسجد کے سلسلے میں بھی ....."

"تو پھر .....؟"

"ہم کمیٹی پر زور ڈالیں کہ وہ فوراً کوئی فیصلہ کرے، ہم بہت انتظار نہیں کریں گے، ہمارا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا ہے ....."

"پیمانہ ـــــ؟ میاں، میں تمہیں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ اللہ کے معاملے میں احتیاط برتا کرو، ورنہ ـــــ بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوجاؤ گے ـــــ"

"لیکن یہ تو محاورہ ـــــ جیسے صبر کا پیمانہ، انتظار کا پیمانہ، غصہ کا پیمانہ ..... "

"ہم احتیاط برت لیں تو کیا حرج ہے .....؟"

"ٹھیک ہے بھائی، ٹھیک ہے، لیکن اُنہوں نے پھر بے حسی دکھائی جو ایک سیاسی حکمت عملی ہوتی ہے تو اس صورت میں ہم ....."

"جدوجہد کریں گے ....."

"یعنی جنگ .....؟"

"بھئی، یہ معاملہ تو اللہ کے گھر کا ہے، اس کی ناموس کا ہے، ہم پر یقینی جدوجہد فرض ہوجاتا ہے ....."

www.taemeernews.com

"ایسی بات ہے تو پھر ہم ضرور ....."

لوگوں میں جوش و ولولہ بھر گیا، جسموں میں جیسے ایک تیز کرنٹ .....

اُسی وقت مغرب کی اذان بلند ہوئی۔

اللہ اکبر ..... اللہ اکبر .....

نماز کے بعد صحن میں لوگ جمع ہوئے، اُسی وقت اچانک محترم صدر اور معزز سکریٹری مسجد سے نکل آئے۔

"کیا بات ہے ——؟"

مسعود خاں نے حیران نظروں سے اُنہیں دیکھا۔

ہر شخص نے کچھ بولنے کی کوشش کی ..... ساری آوازیں گڈمڈ ہوگئیں .....

ایک ہنگامہ سا برپا ہوگیا۔

"یہ مسجد ہے، مچھلی بازار نہیں ..... اس کا احترام کیجئے ....."

محمود عالم نے بزرگانہ انداز میں ڈانٹا۔

چند لمحوں کے لئے ایک سناٹا سا چھا گیا ..... کچھ دیر کے بعد ایک آواز اُٹھی :

"باہر چل کر ضروری باتیں ....."

"دیکھئے ..... اگر مسئلہ دنیاوی ہے تو اس سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں، اگر دینی ہے تو پھر وہ گلیوں میں حل نہیں ہو سکتا ....."

مسعود خاں نے اپنی رولنگ دی۔

"مسجد کی توسیع ....."

مسعود خاں فوراً سمجھ گئے ..... یا پھر وہ پہلے سے سمجھے ہوئے تھے، بات کاٹ کر بولے۔

"سوچیں گے، کمیٹی کی میٹنگ میں اس پر غور ہوگا ....."

"مسجد میں باتیں کیوں نہیں ہو سکتیں ——؟ مسجد تو ہماری پارلیامنٹ تھی، اس میں سارے مسائل ....."

لوگوں میں اسلامی تاریخ کی واقفیت کچھ کم نہیں تھی۔

www.taemeernews.com

"وہ دور نبوی تھا ..... مسجد نبوی تھی، تب پارلیامنٹ تھی ....."

سراج انور نے حلیمی سے جواب دیا۔

"یعنی ہماری مسجد متبرک نہیں .....؟"

تیکھا سوال۔

"یہ بات نہیں، لیکن مسجد نبوی کا مقابلہ دنیا کی کوئی مسجد نہیں کر سکتی، یہ بات آپ جانتے ہیں نا ——— ؟"

مسعود خاں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہماری مسجد پارلیامنٹ کیوں نہیں بن سکتی ——؟"

سوال پر سوال۔

"اچھا آپ میری ایک بات کا جواب دیجئے ——— آج کی مسجد نبوی پارلیامنٹ کیوں نہیں ہے ——؟"

سکریٹری صاحب نے دریافت کیا۔

"وہ اِس لئے ..... اس لئے کہ ہم اسلامی حکومت ..... مطلب خلافت قائم نہیں کر سکے ....."

"ایک اسلامی ملک میں تو ہم ایسا نہیں کر سکے لیکن اپنے ملک کے ایک چھوٹے سے شہر کے ایک بہت ہی چھوٹے سے محلّے میں ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہیئے ....."

مسعود خاں کا لہجہ بظاہر سادا اور بے ضرر تھا۔

خاموشی چھا گئی ..... دھند سے بھری خاموشی ..... وہ لوگ آسانی سے باہر نکل گئے۔

"یہ کیا بات ہوئی ——؟"

"یہی کہ ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا ....."

اُن کے درمیان جو گرمی پیدا ہوئی وہ کسی عبادت خانے کی متحمل نہیں تھی۔ باہر ڈمرد کا چائے خانہ محلے کا وہ ہائیڈ پارک تھا جہاں زہر بھی اُگلا جاتا تو اس پر کوئی روک ٹوک نہیں تھا۔ انہیں جس طرح

www.taemeernews.com

نظر انداز کیا گیا، اُس کا اُنہیں بہت قلق تھا۔ آخر وہ بھی تو اللہ کے گھر کے برابر کے ساجھی دار تھے۔

جی بھر کے انہوں نے اپنے دل کا بخار نکالا۔

"وہ مسجد ہر حال میں اپنے اُنہیں پیسوں سے بنائیں گے جو اُن کے بینکوں میں سود کی شکل میں بے حساب جمع ہے ــ"

"مسجد ہمیشہ عوامی تعاون سے بننی چاہیئے۔ چند خاص لوگوں کی مہربانی سے نہیں، اِس میں خدا کی مصلحت بھی پوشیدہ ہے ....."

"یعنی .....؟"

"ثواب جاریہ ..... مشفق و مہربان خالق دوجہاں چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے مال کے ساتھ آگے آئیں اور اُسے اپنے گنہ گار بندوں کی شفاعت کا بہانہ مل سکے ــ"

"یعنی پوری ملت کو اتنے بڑے ثواب سے محروم رکھنے کی سازش ..... یہ کبھی نہیں ہو سکتا، ہم اُنہیں من مانی نہیں کرنے دیں گے ....."

"ابھی دیکھ لو ..... شاید وہ کوئی فیصلہ کر ہی لیں، اللہ کو کچھ بہتری منظور ہو .....!"

"ان کے تیور سے تو نہیں لگتا ..... وہ عام چندہ کے لئے تو خود نکلنے سے رہے اور ہم پر وہ بھروسہ کریں گے نہیں ....."

"دیکھو، وہ وہی کریں گے جو میں کہتا ہوں ..... اُن کے بارے میں خوب پتہ ہے ہمیں ...."

"آخر کیا .....؟"

"یہی کہ اپنے ہی جیسے چند لوگوں کے درمیان بڑے بڑے چندے کر لیں گے اور کچھ اپنی جیب سے ....."

"اِس میں حرج .....؟"

"حرج .....؟ حرج تو وہ ہے میاں جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جو ثواب ہمیں تاقیامت ملتا رہتا، وہ چند خود غرض لوگوں تک سمٹ رہا ہے، اسے ہم کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔؟

"ان کے فیصلے کا ہمیں انتظار کر لینا چاہیئے ....."

آواز کمزور تھی، پھر بھی اُس میں چنگاری تھی۔

www.taemeernews.com

"بار بار تو ہم کہہ رہے ہیں کہ وہ نہیں کریں گے، نہیں کریں گے، نہیں کریں گے ..... ہمیں جو کچھ کرنا ہے، وہ ہم سوچ لیں تو بہتر ہے ....."

"میں پوچھتا ہوں انجینئر، وکیل اور سرکاری افسر کے پاس اتنی دولت کہاں سے آتی ہے کہ ....."

"چھوڑو، جس کا اعمال اس کے ساتھ، ہمیں اس سے کیا لینا دینا ....."

"لینا دینا کیسے نہیں ـــــ؟ ہماری عاقبت کا معاملہ ہے۔ آخر ہم نماز مرنے کے بعد صلہ ملنے کی اُمید ہی پر پڑھتے ہیں نا ....."

"یعنی دنیا تو ہماری جا ہی چکی، دین سے بھی ہاتھ دھونے کی تیاری ..... کوئی انتہا ہے اِس ظلم کی ....."

"میں نے خود جناب سکریٹری صاحب کو کہتے سنا ہے کہ ان لونڈوں کے ہاتھوں میں مسجد دینے سے بہتر ہے کہ اس میں تالہ لگا دیا جائے ..... حد ہو گئی جیسے ہم تو ہمیشہ لونڈے کے لونڈے رہیں گے اور یہ ....."

"ارے یار، اگر یہ بات سچ ہے تو انہوں نے تو ہمیں زبردست گالی دے دی، ٹھیک ہے کہ ہم میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی ہے، لیکن کچھ بڑی عمر کے لوگ بھی تو ہیں، انہیں ....."

"وہ ہمیں گالی نہیں دیں گے تو اور کیا دیں گے، اس سے فرق کیا پڑتا ہے، دیں ...."

"اب بس ایک ہی راستہ رہ گیا ہے ....."

"کیا ـــــ؟"

"جہاد ـــــ!"

"جہاد ـــــ؟"

"ہاں جہاد .....!"

"اس کے لئے ملّت تیار ہے ـــــ؟"

"جنگ میں بگل بجتا ہے تو پوری قوم اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور بگل بجانے سے پہلے قوم سے مشورہ نہیں لیا جاتا ـــــ"

"جہاد کے لئے تو فتویٰ ضروری ہوتا ہے ....."

www.taemeernews.com

"کون دے گا فتویٰ ــــــ؟ یہی لوگ جن کی صبح و شام سلام صاحب، سلام صاحب کرتے زبان نہیں تھکتی، وہ بچارے کیا فتویٰ دیں گے ....؟"

"تو پھر قاضی شہر ...."

"وہ اِس معاملے میں کیوں پڑیں گے ــــــ یہ تو اپنی مسجد کا معاملہ ہے، ملت کا تو مسئلہ ہے نہیں ...."

"پھر بھی ...."

"کچھ نہیں .... ہماری رہنمائی کے لئے آسمانی فرمان موجود ہے، صاف کہا گیا ہے کہ ملت کو قدم قدم پر جہاد کرنا ہے۔ بگل بجا کر میدان جنگ میں صرف گھوڑے دوڑانا جہاد نہیں ...... بُرائی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونا جہاد ہے .... نفس سے لڑنا جہاد .... صدائے حق بلند کرنا جہاد ...."

ان کے چہرے تمتما اُٹھے، دو ایک نے نعرۂ تکبیر بلند کر دیا، پوری فضا جیسے بدل گئی۔

مسجد کے سامنے ایک چھولداری لگا دی گئی، تین چار چوکیاں، دریاں، سفید گاؤ تکیے، آنے جانے والوں کے لئے کچھ کرسیاں، مائک اور ....

جہاد شروع۔

'مجلس منتظمہ استعفیٰ دے، سارے لوگ ہٹائے جائیں ....'

پانچ وقتوں میں نعرہ بازی میں کچھ اور تیزی آجاتی، چہل پہل اور تفریح کا منظر پیدا ہو جاتا۔

ابھی تک بات مسجد میں باقاعدہ آنے والوں تک ہی محدود تھی، بڑی تعداد تو ان لوگوں کی تھی جو کسی نہ کسی وجہ سے مسجد سے دور رہتے۔ کام کے اوقات، بے پناہ مصروفیت، لاپروائی، بے توجہی، لاتعلقی، طہارت نہ رہنے کا بہانہ وغیرہ .... عید بقرعید کی بات اور تھی ..... جمعہ کی بھی .....

لیکن جب جہاد چھڑ گیا تو اہلِ ایمان چُپ کیسے رہ سکتے تھے۔

دو گروپ اُبھر کر سامنے آگئے۔

ایک حمایت میں، دوسرا مخالفت میں۔

اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان میں کون واقعی طاقت ور تھا، دکھائی تو دونوں دیتے۔

www.taemeernews.com

جن کی مخالفت کی جارہی تھی، وہ پہلے کی طرح مسجد آتے جاتے رہے ..... آتے تو طاقتور دکھائی دیتے، جب نعرہ بازی ہوتی تو دوسرا گروپ طاقتور نظر آتا۔

میدان جنگ تھا لیکن جنگ نہیں تھی۔

مگر سب سے دور پراسرار خاموشی کے ساتھ ایک اور عمل جاری تھا۔

محلّے سے متصل ایک بہت بڑا میدان تھا جس کو عرصہ قبل اُونچی دیواروں سے گھیر دیا گیا تھا۔ اندر پتہ نہیں کب سے، کون سی فیکٹری بن رہی تھی، سننے میں آتا کہ باہر کے معماروں سے بھی کام لیا جارہا ہے، دور دراز علاقوں سے ساز و سامان آتے، روشنی ہوتی، شور و غل، چہل پہل ..... سب دیواروں کے اندر ..... رہائش کے انتظامات بھی اندر ..... خیال تھا کہ غیر ملکی سرمایہ کاری سے ایک بہت بڑا پروجیکٹ لگایا جارہا ہے ..... کچھ لوگ کروڑ پتی سے ارب پتی ہو جائیں گے، ارب پتی سے کھرب پتی اور کھرب پتی سے .....

اِدھر جہاد کا نعرہ بلند ہوا، اُدھر دیواروں کے اندر کی سرگرمیوں میں تیزی آگئی، اس میں محلّے کے زیادہ لوگ شامل نہیں تھے اور جو بہت کم تعداد تھی بھی، وہ بہت ہی قابلِ اعتماد، نمک خوار قسم کے لوگوں پر مشتمل تھی۔

——— اچانک اعلان ہوا کہ ایک ممتاز ملک کے محترم سفیر نئی عظیم الشان مسجد کا افتتاح کرنے تشریف لا رہے ہیں .....

اسی شہر میں .....

اسی محلّے میں .....

لوگ بھونچکے رہ گئے۔

مسجد .....؟

کیسی مسجد .....؟ کہاں کی مسجد .....؟

سفیر محترم کی تشریف آوری .....؟

سوالات بے شمار تھے۔

اچانک محلے ہی میں نہیں، پورے شہر میں شاندار، روغنی، رنگین پوسٹروں کی بہار آگئی۔

www.taemeernews.com

..... ایک طرف بہت ہی خوشنما، پھولوں کی کیاریوں میں گھری ہوئی ایک نہایت ماڈرن مسجد ....
دوسری طرف سفیر محترم اپنا ہاتھ اُٹھا کر پتہ نہیں کیا تلقین فرما رہے تھے۔

مقررہ تاریخ پر نہ صرف شہر بلکہ بیرونِ شہر سے لوگ اُمڈ پڑے۔ مسجد کیا تھی، جدید حسن تعمیر کا ایک نمونہ ..... چم چماتے سنگ مرمر کے ٹائلز، وہائٹ اسٹون، برماٹک کے خوبصورت دروازے، بیش قیمت شیشے، جدید وضو خانہ، ماڈرن مائک سسٹم ..... منبر تو ایسا جیسے کسی عظیم شہنشاہ کے دربار خاص میں رکھا منقش تخت ..... مسجد دلہن کی طرح سجائی گئی تھی، چاروں طرف دبیز قالین ..... خوشبودار پھولوں اور بتیوں کی ہر جگہ بہار .....

عصر کی نماز سے قبل دو رکعت نماز نفل سے، جس کی امامت سفیر صاحب نے فرمائی مسجد کا افتتاح ہوا۔ حاضرین نے آمین کہہ کر اس کی تصدیق کی۔ اُسی دن مغرب کی باجماعت نماز سے مسجد باقاعدہ کھول دی گئی .....

بارعب چہار دیواری ..... بلند دروازہ ..... پھولوں کی کیاریوں اور فواروں سے مزین صحن .....

یہاں آکر نماز ادا کرنا گویا اسٹیٹس سمبل قرار پایا۔

پتہ نہیں چل سکا کہ جن مجاہدوں نے پرانی مسجد کے سامنے خیمہ اور چوکیاں لگائی تھیں، ان کا کیا ہوا .....

کب خیمہ اکھڑا، کب چوکیاں اور دریاں ہٹائی گئیں اور کب مائک سے بلند ہوتی ہوئی آوازیں ختم ہوئیں۔

اِس مسجد میں تو اب فقط جمن ہی رہ گئے .....

www.taemeernews.com

بیکار لوگ

کوئی پارٹی جیسا منظر تھا۔ شائستگی سے بیٹھے کئی لوگ چائے اور سگریٹ سے شغل کر رہے تھے۔ خاموشی تھی، البتہ سرگوشیوں میں کبھی کوئی کچھ بول دیتا۔ ویسے وہاں ہر آدمی اپنے آپ میں مصروف تھا۔

اچانک ان میں سے ایک اٹھا، سوراخ میں اپنی آنکھ لگائی، پھر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا.....؟"

"کچھ نہیں....."

"کچھ نہیں....."

"ہاں بھئی..... وہ صرف باتیں کر رہے ہیں...."

"باتیں.....؟ اور کچھ نہیں.....؟"

"نہیں صرف باتیں....."

"یہ کیسے ہو سکتا ہے.....؟ تم نے دیکھا، کمرہ تو ٹھیک سے بند ہے....؟"

"بالکل بند ہے۔ انہوں نے دھیمی روشنی بھی جلا رکھی ہے، شب خوابی کے کپڑے بھی پہن رکھے ہیں اور اب کوئی وجہ نہیں کہ....."

www.taemeernews.com

"موڈ نہیں بن رہا ہوگا ....."

"ہوسکتا ہے ..... لیکن ہم کب تک انتظار میں بیٹھے رہیں گے ....."

"بس کچھ دیر اور ....."

"واہ، تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو ..... ہوسکتا ہے آج ان کا موڈ ہی نہیں ہو، ہوسکتا ہے وہ، ڈیوٹی پر ہوں ....."

امکانات تو بہت ہیں، ہم اپنا قیمتی وقت اس چکر میں کیوں ضائع کریں ....؟"

ایک نے اکتا کر سوراخ سے پھر اپنی آنکھ لگائی، اس کے منھ سے بے ساختہ نکلا۔

"ارے ..... یہ تو بہت چالاک نکلے، انہوں نے تاریکی کردی ہے اور وہ اندھیرے میں کچھ کر رہے ہیں ....."

دوسرے نے اسے ایک طرف کو دھکیلا اور خود دیکھنے لگا۔

"وہ کچھ حرکتیں تو ضرور کر رہے ہیں ..... اے بھائی، دیکھو، ہم ان کا سایہ دیکھنے نہیں آئے کوئی ترکیب کرو کہ وہ روشنی جلادیں ....."

"پتہ نہیں، کیسے لوگ ہیں، آج کل تو لوگ روشنی ہی میں سب کچھ کرنا پسند کرتے ہیں ...."

"کیوں ..... ؟ ہمیں دکھانے کے لئے .....؟"

"نہیں ..... خود اپنے آپ کو دیکھنے کے لئے ....."

"میں نیچے جاکر ان کی کھڑکی پر ایک پتھر پھینکتا ہوں ...."

"ضرور ..... لیکن خیال رہے کہ کوئی دیکھے نہیں۔ اس کمرے سے باہر ہم وہ نہیں ہیں نا...."

"سمجھ گیا۔ ارے بھائی، میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں، بس گیا اور آیا ....."

ایک نے اپنی آنکھ سوراخ پر ٹکا دی۔ کھڑکی پر پتھر گرنے کی آواز سب نے سُنی، سوراخ پر آنکھ لگانے والے آدمی کی دبی دبی مسرت بھری چیخ .....

"روشنی .... روشنی ..... انہوں نے روشنی جلادی ....."

کئی لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک نے آنکھ والے کو دھکیلا اور خود اپنی آنکھ لگائی، پھر دوسرے نے تیسرے کو ..... پھر تیسرے نے .....

www.taemeernews.com

کمرے میں چہرے باقی نہیں رہے تھے بلکہ چاروں طرف چمکتے ہوئے آئینے ......
نیم برہنہ مرد اور عورت کھڑکی کا پردہ ہٹا کر حیران حیران نگاہوں سے باہر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اس سے کیا ہوگا.....؟ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر روشنی بجھا دیں گے۔"

"لگتا ہے یہ لوگ روشنی کے عادی ہی نہیں ......"

"سالے دیجینیٹرین ....."

"دیکھو بھائی، آئندہ اس کمرے میں اس قسم کے لوگ نہیں ٹھہریں....."

"پتہ کیسے چلے گا کہ کون ...... اب چہرے پر تو کچھ لکھا ہوتا نہیں ......"

"ہوں .... یہ بات تو ہے ..... تم ایسا کرو کہ اس کمرے کا بلب کبھی بجھے ہی نہیں، کچھ ایسا انتظام ہو ...... وہ چاہیں تب بھی نہیں ......"

"لیکن یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں نا..... ابھی سوچو، ابھی کیا کرنا چاہیے، اس وقت تو ہمارا وقت ضائع ہو رہا ہے ......"

"ایک بار پھر دیکھتے ہیں ....."

"....... روشنی تو ہے لیکن یہ لوگ ......"

"ہمیں انتظار کرنا چاہیے" "ہو سکتا ہے ان کا موڈ بن جائے" "ہو سکتا ہے وہ روشنی بجھانا بھول جائیں۔"

اطلاعات نشر ہوتی رہیں ....

ابھی تک یہ لوگ بیکار ہیں .... مرد سگریٹ پی رہا ہے، عورت اپنے ناخنوں پر پالش کر رہی ہے ..... مرد اٹھ کر غسل خانے میں گیا ہے، واپس آ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ عورت کے کاندھوں پر رکھے ہیں اور اس پر جھک گیا ہے، عورت مسکرا رہی ہے .....

مرد نے اس کا بوسہ لے لیا ہے، عورت شریر نگاہوں سے اسے دیکھتی ہوئی ہاتھ سے اپنے ہونٹ پونچھ رہی ہے .... بات ختم ..... مرد ایک جمائی لے کر کھڑکی تک گیا ہے، پردہ ہٹا کر باہر جھانک رہا ہے .... اب وہ بستر پر چت لیٹ گیا ہے، عورت دھیمے سے مرد سے کچھ کہتی ہے، وہ کوئی جواب نہیں دیتا۔ اس کی نگاہیں چھت پر ٹکی ہوئی ہیں ..... اس کے بعد ..... اس کے بعد ..... کچھ نہیں .....

www.taemeernews.com

یہ منظر بہت دیر سے طاری ہے۔

"بوریت، سخت بوریت..... آخر مطلب کیا ہے ان کا.....؟"

"بور مت ہوئیے اور تشریف لے جائیے.....؟"

"خاموش..... تم جانتے نہیں، میں کون ہوں، میں چاہوں تو تمہیں برباد کر سکتا ہوں...."

"جس کی مردانگی ایک نظارے کی محتاج ہو، وہ کیا....."

"کیا کہا تو نے کتے..... نامرد..... کیا تیری..... نے میری مردانگی کا مزا چکھا ہے؟"

"سب دیکھ رہے ہیں تیری مردانگی..... اگر یہ بچارے کچھ نہ کریں تو تو بہت بڑا مرد بن جائے گا نا....."

"ٹھہر جا تو، ابھی تجھے بتاتا ہوں...."

زبانیں پیچھے ہٹ گئیں، ہاتھ پیر سامنے..... کئی دفاعی ہاتھ بھی..... عجیب افراتفری کا منظر..... اس وقت تک یہ منظر ٹھہرا رہا جب تک کہ لوگوں کے اندر کا وہ غبار نہیں نکل گیا جو اتنی دیر سے ان کے اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ لوگ.....؟ کیا سمجھ رکھا ہے، کوئی بھٹیار خانہ یا..... اگر انہیں پتہ چل گیا تو پھر آپ کے لئے یہاں کیا رہ جائے گا..... اس معمولی اجاڑ کمرے میں....."

اس وقت تک وہ اپنے زخم چاٹ چکے تھے۔ کمرے میں خاموشی چھائی تھی۔

کچھ دیر کے بعد ان میں سے ایک آہستہ سے اُٹھا، سوراخ کے ذریعہ خوشی کی ایک لہر اس کی آنکھوں میں پھیلی..... لہروں کا سلسلہ شروع ہوا.....

کمرے میں روشنی ہوئی تھی اور وہ بوس و کنار میں مشغول تھے۔

"ابھی تک یہ سالے Foreplay ہی میں الجھے ہوئے ہیں....."

"یار، کمال ہے، دیکھو تو ابھی ہم کتنے ناامید تھے اور اب..... جب کہ وہ تمہید تک پہنچ گئے ہیں تو پھر وہاں تک ضرور پہنچیں گے....."

"چلو غنیمت ہے..... ایک دم ناامیدی تو ہاتھ نہیں لگی...."

"..... تیسرے راؤنڈ کے آخر میں وہ لوگ Foreplay میں مصروف تھے۔

www.taemeernews.com

"بھئی، یہ تو اس سے آگے بڑھتے ہی نہیں ....."

"شاید کچھ پرابلم ہے ان کے ساتھ۔"

"کچھ Provocation کا سامان ان کے پاس نہیں ہے کیا.....؟"

"بھائی زیادہ لفڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ ہمارے لیے کافی نہیں ہے کیا.....؟ بلکہ کیوں نہ ہم یہی سمجھ لیں کہ....."

"آپ کے لئے کافی ہو سکتا ہے، ہمارے لئے نہیں....."

"آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں؟..... کیا وہ ہمارے لئے کوئی شو کر رہے ہیں...؟"

"بات صحیح ہے، وہ تو محض اپنے انجانے پن میں ہم پر مہربانی کر رہے ہیں، اس سے زیادہ کی ہمیں توقع ہی کیوں ہو.....؟"

"اس کا مطلب ہے ہم یہاں سے یونہی چلے جائیں..... ہم نے جو اتنا وقت دیا، وقار، عزت .....وہ سب ..... وہ سب....."

"بھئی، ایک دن نہ سہی۔"

"اتنی دیر ہو گئی ہے، ذرا پھر دیکھ لیا جائے۔"

"ارے، یہ کیا..... دونوں کرسیوں پر بیٹھے بڑے اطمینان سے گپ کر رہے ہیں....."

اس خبر میں زیادہ دل چسپی نہیں لی گئی اور سبھی بوریت کا تصور کر کے بور ہوتے رہے۔

"آج کل لوگوں کو کیا ہو گیا ہے.....؟ اس سے زیادہ بات آگے بڑھتی ہی نہیں، پتہ نہیں کیسے لوگ ہیں....."

"یہ لوگ کیا کھاتے ہیں جو....."

"ارے بھائی، یہ سب اسی Kenturey Fried Chicken کا کھیل ہے جو ایک گہری سازش کے تحت یہاں کے لوگوں کو کھلایا جا رہا ہے تاکہ....."

"کل میں انیمل فارم کی طرف گیا تھا۔ جناب، ان سے کہیں زیادہ دَم خم میں نے جانوروں میں دیکھا۔"

"مجھے اس کا پتہ تو دینا، میں بھی فارم کی سیر کروں گا۔ ان سالے انسانوں میں اب کوئی دَم باقی

www.taemeernews.com

نہیں رہا، خواہ مخواہ ان پر وقت ضائع کرنے سے فائدہ .....

"میرے ایک دوست جانوروں کے بارے میں خوب معلومات رکھتے ہیں، انہیں پتہ ہے کہ کون جانور کس موسم میں ....."

"لیکن ہم تو اشرف المخلوقات ہیں، ہم دوسری جون میں کیوں جائیں .....؟"

یہ انسان ..... انسان ہی نہیں رہے۔ دیکھو نا، اتنی دیر سے یہ کیا کر رہے ہیں، اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، ہمارا بھی ..... کیا یہ صرف وقت گزاری کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں ..... اس کے لئے گھر نہیں ہے کیا .....؟"

"اے لو ..... یہ تو کپڑے بھی بدل رہے ہیں اور اب ..... سوٹ کیس میں اپنے سامان ..... لگتا ہے اب یہاں سے کوچ کریں گے ....."

ان کے جانے کا منظر سب کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

"لو بھائی ..... یہ تو یہاں سے چلے بھی گئے۔ ان کا کمرہ کیسا سونا سونا لگ رہا ہے .....

"ہماری زندگیوں کی طرح ....."

"سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ یہاں کیوں آئے تھے .....؟ یہ تو کسی مصرف ہی کے نہیں نکلے .....

ایک دم بیکار لوگ ....."

"دیکھنا، خیال رکھنا، اس قسم کے بیکار لوگ آئندہ یہاں نہیں ٹھہریں ....."

"اچھا دوست تو پھر ....."

www.taemeernews.com

صبح کا بھولا....

ایسی صورت حال میں ہمیشہ اُن کے ہاتھ کا برتن چھوٹ کر نیچے آ رہتا، چھنا کے کی آواز بلند ہوتی اور ساری فضا تھرا جاتی۔

لیکن اس منظر نے تو اُنہیں ایسا جامد کر دیا تھا کہ پکڑے ہوئے برتن پر ان کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی اور اگر کوئی اُن سے چھیننا بھی چاہتا تو شاید یہ ممکن نہ ہوتا۔

ابھی ابھی انہوں نے گرم پانی کا دوسرا تسلہ خاں صاحب کو دیا تھا اور چولہے پر پھر پانی رکھ دیا تھا۔ وہ دروازے پر کھڑی ساڑی کے پلّو سے بار بار اپنے اُبلتے ہوئے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں کہ یہ آنسو خوشی کے ہیں یا.....

منوّر عرف منّو بستر پر لیٹا تھا اور خاں صاحب گرم تولئے سے بڑی بے تابی سے اس کا جسم سینک رہے تھے۔ اس کے جسم پر نیل کے کئی نشانات تھے اور اُسے گرم پانی کے بھاپ سے بہت آرام مل رہا تھا لیکن اس سے زیادہ آرام اسے ان لہروں سے پہنچ رہا تھا جو اس کے باپ کی خاموش نگاہوں سے نشر ہو رہی تھیں۔

"اور پانی گرم کر دینا....."

خاں صاحب نے انہیں پکار کر کہا، ان کی آواز میں پتہ نہیں وہ کون سا سُر تھا کہ وہ اندر اندر

www.taemeernews.com

تڑپ کر رہ گئیں ۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے برتن پر ان کی گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی ۔

انہوں نے باہر جھانکا ۔

منظر وہی تھا، کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی ۔ خاں صاحب بڑے انہماک سے منّو کے زخم سینکنے میں مصروف تھے ۔

اُنہوں نے کچھ اور آگے جھانکا ۔

دروازے پر ایک زوردار لات ..... اور ساری فضا جیسے کانپ اُٹھی ۔

اُنہوں نے کھانے پکانے کے سارے کام چھوڑے، جلدی سے آنچل سر پر ڈالا اور آنے والی آفت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئیں ۔

اندر آتے ہی انہوں نے چھتری کو کونے میں پھینکا، بیگ کو بستر پر اُچھال دیا اور دھاڑے ۔

"کہاں ہے وہ مردود .....؟"

انہوں نے انجان بن کر چاروں طرف دیکھا اور دھیرے سے بولیں ۔

"اب کیا ہوا ..... ؟"

"کیا ہوا ..... ؟ یہ پوچھو کیا نہیں ہوا ۔ زندہ نہیں رہنے دے گا تمہارا یہ لاڈلا ۔ پتہ نہیں کس جرم کے پاداش میں یہ سزا ملی ہے ہمیں ۔ جی چاہتا ہے میں ہی مر جاؤں تو سب کو نجات بھی ملے ....."

بکتے جھکتے انہوں نے پسینے سے شرابور کپڑوں کو گناہ کی گٹھری کی طرح اتار پھینکا اور لنگی پہن کر بستر پر یوں گرے جیسے اب کبھی نہیں اُٹھیں گے ۔

صابر اور خاموش بیوی نے اُن کے سارے تیروں کو ہنسی خوشی اپنے سینے پر سہہ لیا اور اُن کے لئے صراحی سے ٹھنڈا پانی لا کر پاس رکھی تپائی پر رکھ دیا اور چپ چاپ مونڈھے پر بیٹھ گئیں ۔

انہوں نے گھور کر اُنہیں دیکھا اور پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر کے پھر لیٹ گئے ۔

شاید اُنہیں خیال آیا کہ جس قصور کے لئے وہ اس خاموش عورت پر تیر برسا رہے ہیں اس قصور میں اُن کا ہاتھ کم تو نہیں ۔ اُن کے چہرے کا تناؤ کچھ کم ہوا ۔ دھیمی نظروں سے انہوں نے بیوی کی طرف دیکھا اور قدرے نرمی سے بولے ۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لڑکا آخر آدمی کب بنے گا، ہزار سمجھاؤ لیکن مرغے کی وہی ایک ٹانگ

www.taemeernews.com

پیار کرو، لات مارو، اس پر کچھ اثر ہونے والا نہیں۔ اتنی دیر میں تو جانور بھی انسان بن جائے لیکن یہ .....
اس نے تو جیسے قسم کھا رکھی ہے ...."

اُن کی آواز پھر تیز ہوگئی۔ بیوی حسب معمول خاموش رہیں، جانتی تھیں کہ وہی کچھ ہوا ہوگا جو ہمیشہ ہوتا ہے۔ یہ گھر پہنچنے کی جلدی میں لپک رہے ہوں گے کہ اچانک کسی نے انہیں روک لیا ہوگا اور پھر متورعف منو .... ان کے اکلوتے بیٹے کی شکایت ......

کسی کو مار بیٹھا ہوگا ....

کسی کو ٹانگ میں ٹانگ پھنسا کے گرا دیا ہوگا ....

کسی کو گالی دے دی ہوگی ......

کسی کی ٹوپی اُچھال دی ہوگی ....

کسی کا سر توڑ دیا ہوگا ....

یہ روز کا معمول تھا۔ باپ جس قدر سخت ڈسپلن کے پابند تھے، بیٹا اسی قدر لااُبالی پن کے راستے پر دوڑ رہا تھا۔ دو انتہا پسند ڈوروں کے درمیان جھول رہی عورت کبھی شوہر کی طرف دیکھتی، کبھی بیٹے کی طرف۔ اتنا تو اُنہیں پتہ تھا ہی کہ اگر خاں صاحب اپنی زندگی کو سخت ڈسپلن کی زنجیروں میں باندھے نہیں رکھتے تو یقینی طور پر ان کی سفید پوشی یوں بکھرتی کہ پھر سمٹتے نہیں سمٹتی۔ وہ چاہتے تھے کہ بیٹا پڑھے لکھے، بڑا آدمی بنے اور پھر انہیں کی طرح پابند زندگی گزارے۔ وہ اپنی زندگی میں بہت بکھراؤ دیکھ چکے تھے اور اس کا خوف ان کے دل و دماغ پر طاری تھا۔ لیکن بیٹا تھا کہ پٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتا۔ باپ بیٹے کو فرفر اُڑتے دیکھنا چاہتا۔ بیٹا زمین پکڑ کے یوں بیٹھا تھا کہ اسے دوسروں کے اُڑنے کی پھڑپھڑاہٹ سنائی بھی نہیں دیتی۔

خاں صاحب اُسے کسی طرح اسلامیہ اسکول کے ماسٹروں سے راہ و رسم پیدا کر کے سفارش کی ڈول ڈال کے اوپر کھینچتے رہے، اب بورڈ کا امتحان سامنے تھا اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس میں اوپر کھینچنے کے لیے اُن کے پاس کوئی ڈول نہیں تھی۔ بیٹے کی لاپروائی سے ان کے دل و دماغ میں بے چینی کا ایک جہنم دہک رہا تھا، مگر اُسے رتی برابر پروا نہیں تھی۔

"وہ کم بخت دو پیسے کا آدمی .... فخرو کا بھتیجا جس کا باپ کبھی میرے والد کے سامنے

www.taemeernews.com

نہیں آتا تھا۔ ضرورت ہوتی تو اسے سو سو بار سوچنا پڑتا' اُس نے آج مجھے راستے میں روک کر یوں ذلیل کیا۔ یوں ذلیل کیا کہ میں ..... بس یہی جی چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں ....."

خاں صاحب کے ہاتھوں سے لگام پھر چھوٹنے لگی۔ بیوی صدق دل سے چاہ رہی تھیں کہ وہ نارمل ہو جائیں ..... بالکل نارمل ..... لیکن وہ تھے کہ نہ یہ بات بھولتے اور نہ مضبوط ہاتھوں سے لگام تھامتے۔

"آخر ایسی کون سی بات کہہ دی اُس نے .....؟"

انہوں نے دھیرے سے دریافت کیا' اچھی طرح جانتے ہوئے اُس نے کیا کہا ہوگا ..... کوئی نئی بات تو کہی نہیں ہوگی اس نے۔ انہیں تو روز ہی کوئی فخرو' جامو' افتخار' شمیم' حقرو ..... مل جاتے یا پھر ان کے بھتیجے' بھانجے .....

"اُس نے کہا ..... صاف صاف کہا اُس نے کہ خاں صاحب اپنے بیٹے کو ذرا مضبوط کھونٹی سے باندھ رکھئے ورنہ شہر میں بہت سارے کانجی ہاؤس بھی کھل گئے ہیں ..... انہوں نے وہ زہر اُگل ہی دیا جو اتنی دیر سے ان کے جسم میں دوڑ رہا تھا۔ انہوں نے جیسے اسے اپنی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔ بارے مٹھی اب جا کر کھلی۔

"آخر کچھ تو منو نے کیا ہوگا جب ہی تو ....."

بیوی ان کی مٹھی اچھی طرح کھول دینا چاہتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ ہتھیلی کے کسی کونے کھدرے میں زہر کی کھرچن بھی باقی رہے گی تو بند روشن دانوں سے چھن چھن کر صرف گھٹن ہی آسکے گی۔

"کرتا کیا' اس کا بیٹا اسکول جا رہا تھا کہ راستے میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ اس نے مار پیٹ کی اور اس کا ٹفن چھین کر بھاگ گیا ..... اس قدر چھوٹی اور ذلیل حرکت ....."

ان کے منہ سے جھاگ نکلنے لگے۔ بیوی چپ چاپ اُن کے لئے ناشتہ لانے چلی گئیں' وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ کچھ چوری اور سینہ زوری کا معاملہ ہوگا لیکن یہاں تو ..... خاں صاحب جس ڈسپلن کے آدمی تھے' ان کے لئے واقعی یہ بڑی بات تھی اور بڑی بات نہ بھی ہو' پھر بھی راہ چلتے روک کر بیٹے کی کوئی شکایت کرے .....

ابھی وہ باورچی خانے میں داخل ہی ہوئی تھیں کہ منو گلی والی کھڑکی سے چوروں کی طرح اندر

www.taemeernews.com

داخل ہوا' یہ وقت خاں صاحب کے مسجد میں رہنے کا تھا' وہ مغرب کی نماز پڑھنے جاتے تو اوابین پڑھ کر لوٹتے لیکن شاید غصہ نے اُن کے ہاتھ پیر باندھ دیے تھے' منو کو اس کی کیا خبر تھی۔ کھڑکی سے کودتے ہی وہ ان کی نظروں میں آگیا اور وہ وہیں سے دھاڑے۔

"منو' ادھر تو آؤ....."

بھیگی بلی بنا وہ باپ کے سامنے آیا' پندرہ یا سولہ کا سن ..... ابھی تو مسیں بھی پوری طرح نہیں بھیگی تھیں اور ابھی بسنے کا آغاز ہی تھا' دبلا پتلا سا' شریف خاندان کا بچہ.....

"کیوں چھینا تم نے اس بچے سے ٹفن .....؟"

بغیر کسی تمہید کے انہوں نے کڑک کر پوچھا۔

"اس سے پہلے اُس نے بھی میرا ٹفن چھینا تھا....."

ڈرتے ڈرتے سہی' لیکن جواب اس نے فوراً دیا۔

"اُس چھوٹے سے بچے نے.....؟"

انہوں زہر بھرے طنز سے پوچھا۔

"کون چھوٹا بچہ..... ؟ وہ میرے کلاس کا لڑکا ہے....."

منو نے بڑی صفائی سے جواب دیا۔ ان کے چہرے پر پھیلے زہر کے اثرات تو کچھ کم ہوئے لیکن جو کڑواہٹ گھل گئی تھی' وہ اتنی جلد کیسے زائل ہو سکتی تھی۔

"کوئی خواہ مخواہ ایسی حرکت کیوں کرے گا' ضرور تم نے چھیڑ خانی کی ہوگی....."

اب بیوی سے برداشت نہیں ہو سکا' وہ لپک کر باہر آئیں اور وکالت کے کٹہرے میں کھڑی ہو گئیں۔

"بچوں کی بات ہے۔ منو نے آپ سے اس بچے کی شکایت نہیں کی اور کرتا بھی تو کیا آپ اسے ٹوکنے جاتے' بچوں کے معاملے ہیں....."

لیکن خاں صاحب کو ذلت کا جو احساس ہوا تھا' وہ اُنہیں بار بار کچوکے دے رہا تھا۔ انہوں نے بہت بے بسی سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ یہ کم سن سا لڑکا انہیں کیا کیا دُکھ پہنچا رہا تھا۔

"میاں' تم شریف خاندان کے بچے ہو۔ تمہاری عمر تک تو میں گھر سے باہر بھی نہیں نکلتا تھا'

www.taemeernews.com

بس اسکول گیا اور وہاں سے واپس گھر..... تمہارا ابھی سے یہ حال ہو گیا کہ تمہارے باپ کو لوگ راہ چلتے ٹوکنے لگے....."

اُن کی آواز بھرّا گئی۔ منّو چپ چاپ اپنے پیروں کے ناخنوں کو دیکھتا رہا' وہ بیوی سے مخاطب ہوئے۔

"یقین مانو' میں بہت ڈر ڈر کے محلے میں داخل ہوتا ہوں اور جب بھی کسی نے پکارا' اسی وقت لگا جیسے میرا دم نکل گیا' پتہ نہیں کس ناکردہ گناہ کی پاداش میں....."

"ابا' آپ سے لوگ بہت سی باتیں غلط بھی کہہ دیتے ہیں....."

منّو نے لوہا گرم دیکھ کر ڈرتے ڈرتے ہلکی ضرب لگائی۔

"ہاں۔ ہاں' اس لئے کہ لوگوں کو ہم سے کوئی خاص دشمنی ہے' وہ کسی اور کو راہ چلتے نہیں روکتے' صرف ہمیں ہی روکتے ہیں' محلے میں اتنے سارے لوگ ہیں وہ سب....."

وہ پھر غصہ میں آ گئے۔

"آپ چپ چاپ ان کی سُن جو لیتے ہیں....."

منّو بھی باپ ہی کا بیٹا تھا۔

"تو کیا کروں' پھاوڑا لے کر ان کے سر توڑ دوں' غلط سلط بات کر کے اپنے ضمیر کو پھانسی پر چڑھا دوں' جھوٹ سچ کر کے اپنے اسلاف کے چہرے پر کالک پوت دوں' اپنے ہی سکّے میں کھوٹ ہے تو کس کے بل بوتے پر ناچوں' کودوں....."

اُن کے تیر کھانے کو وہاں کوئی تھا کہاں۔ منّو باورچی خانے میں گھس چکا تھا اور.....

وہ..... اُن کی بیوی..... ان کا بیٹا منّو' عرف منّو..... اور ان سب کی آوازیں.... کچھ بھی باہر نہیں گیا۔ کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ اُن بوسیدہ' خاندانی' بھرم کے سہارے کسی طرح قائم دیواروں کے پیچھے کیا باتیں ہوئیں' البتہ یہ کہانی' جس میں کچھ بھی نیا پن نہیں' سارے کردار پرانے' سارے ڈائیلاگ سنے سنائے' سارے جذبات برتے ہوئے۔ اور سارے خیالات نامعلوم برسوں سے سینہ بہ سینہ چلے آتے ہوئے..... تھوڑی دیر کے لئے..... بس تھوڑی دیر کے لئے ڈیوڑھی سے باہر گئی اور پھر واپس..... جیسے.....

www.taemeernews.com

محلہ کیا تھا گویا گھر آنگن ..... خوب بڑا سا صحن، لیکن جب آپس میں سب مل بیٹھتے تو ایسا لگتا کہ سب سمٹ سمٹا کر ایک ایسے چھوٹے سے آنگن میں اتر آئے ہیں جس میں بس ایک پلنگڑی دھرنے کی جگہ ہی تو باقی بچی ہے، آنے جانے کا راستہ بھی نہیں بچا۔

کس کے گھر میں دال پکی اور کہاں باسی روٹی کھائی گئی، یہ سب کو پتہ ہوتا۔ محلے کے باسی سرکاری اور پرائیوٹ دفتروں میں تیسرے درجے کے کلرک، مڈل یا پرائمری اسکولوں کے ٹیچر، دینی مدارس میں پڑھنے پڑھانے والے، چھوٹے موٹے دوکاندار، لُٹے لٹائے بدحال، سابق زمیندار، باپ دادا کے کھیتوں اور مکانوں کو بیچ کر، یا اُن کے کرایے کھانے والے اور زمینداری باؤنڈ کو اونے پونے فروخت کر کے زیست کرنے والے لوگ تھے۔ کونے کھدرے سے بھی خوشحالی کی بو نہیں آتی تھی لیکن دو ایک وقت کی روٹی پک ہی جاتی اور عید بقرعید میں تہوار جیسا سماں پیدا ہو جاتا۔

باپوں نے اپنی زندگیاں تو جی لی تھیں لیکن بیٹوں کے کاندھوں پر زندگیاں جدید آرٹ کے شاہکاروں کی طرح لٹکی ہوئی تھیں۔ اُنہیں اپنا وجود سمجھ میں آتا نہ اپنی زندگیاں ..... بس بے معنی اور بے سمت دشاؤں کی طرف لڑھکے جا رہے تھے۔

محلہ پر کسی فلم سیٹ کا گمان ہوتا۔

جگہ جگہ لوگ تاش اور لوڈو کھیلنے میں مصروف ....

ایک اونچے ٹیبل پر کیرم کی گرم محفل اور محلے میں گونجتا ہوا اس کا شور .....

ایک ویران نظر آنے والے مکان کی ٹوٹی سیڑھیوں پر بیٹھے آنے جانے والوں پر پھبتیاں کستے ہوئے چند بے فکرے .....

کہیں سے سائیکل کا ایک پرانا ٹائر مل جانے پر، اُسے خوب سے خوب تیز چلا کر نسل در نسل چلی آنے والی حسرتوں کو مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ بچے .....

ایک طرف مکئی اور چنے کے دانے بھونتی ہوئی چند بوڑھی عورتیں .....

کبھی کبھی بالو کے دالوں میں بھنتے ہوئے دالوں کے پٹاخے دار آواز میں پھٹنے پر اپنی ہنسی پر قابو نہیں پانے والے گاہک .....

محلے کی واحد کھلی ہوئی نالی کے چاروں طرف، تین چوتھائی حصہ جس کا ہمیشہ اوپر بہتا نظر آتا،

www.taemeernews.com

رفع حاجت میں مصروف بہت چھوٹے بچے .....

یہی بچے وقت گزاری کے لئے نالی میں پتھر پھینکتے جاتے جس سے پھلجھڑیوں کی طرح اُڑتے ہوئے گندے چھینٹے .....

قصاب کی دوکان کے سامنے چند ہڈیوں اور چھیچھڑوں کے لئے مسلسل اور مستقل لڑتے ہوئے کتے .....

ایک دوسرے کی بیٹیوں، بہوؤں، بہنوں اور ماؤں کے پوشیدہ راز طشت از بام کرتی ہوئی خونخوار عورتیں .....

ان سب سے بچ بچا کے چُپ چاپ گزر جانا کتنا کٹھن تھا، اس کا اندازہ کچھ خاں صاحب ہی کو تھا۔ وہ محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً بہت پھونک پھونک کر قدم اُٹھاتے۔ اُن کی ساری احتیاط بیکار چلی جاتی جب لوگ اُنہیں کسی نہ کسی بہانے پکار لیتے اور پھر وہ اور ان کا .....

دراصل سارا قصور اُن کے پوشیدہ لیکن باوقار کپڑوں کے اندر چھپے ہوئے اُن کے خاندانی جسم اور اُس میں پوشیدہ تجسس کا تھا۔ اگر وہ محلے کی دل چسپیوں میں شریک ہوتے تو شاید یہ بات پیدا بھی نہ ہوتی۔ سب سے الگ تھلگ، کٹا کٹا، سر جھکائے ہوئے اپنی دھن میں چلتا ہوا ایک اجنبی۔ جو ہر شخص کی توجہ خواہ مخواہ اپنی طرف کھینچ لیتا۔ اُن کی چال سب سے الگ تھی۔ کسی کے ہاں خوشی ہو، غم ہو، تاریخی کتب کا مطالعہ انہیں کچھ اور کرنے کی فرصت ہی نہیں دیتا۔

وہ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جہاں زمینداری تو بہت پھیلی ہوئی نہیں تھی لیکن عزت و وقار کی کوئی حد نہیں تھی۔ ان کے پاس بیچنے کو نہ تو کھیت بچے تھے نہ کرایہ لگانے کو مکان، سر چھپانے کو بس ایک گھر تھا جس کی پرانی اور بوسیدہ دیواروں کے اندر وہ اپنے خاندانی وقار کو کسی طرح چھپائے رہتے۔ اُنہیں ایک سرکاری دفتر میں کلرک کی نوکری مل گئی تھی، آخر کو علی گڑھ کے بی۔ اے تھے۔ انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس مالک نے ان کے لئے آخر اکل حلال کا انتظام کر دیا تھا۔ حلال روزی کمانے میں اُنہیں کوئی عار نہیں تھا۔

مطالعہ نے ان کے اندر کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

وہ جب کتابوں میں بند زندہ کرداروں کی عظمت اور اپنے اسلاف کے کارناموں کو دیکھتے

www.taemeernews.com

تو آج کے بے معنی کرداروں کو تسلیم کرنے سے اُن کے اندر کی آنکھیں صاف انکار کر دیتیں۔ وہ اس صورت حال میں اپنے آپ کو کہیں بھی فٹ کر دینے میں بالکل بے بس پاتے۔ لیکن اپنا بیٹا تو پھر بیٹا ہی تھا۔ اسے وہ اس تاریک دور اہے پر کیوں کھڑا دیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے اسے اپنی حیثیت سے زیادہ بہتر کپڑے پہنائے، اعلیٰ کھانے ..... میونسپل اسکول کی جگہ اسلامیہ اسکول ..... مقدور بھر انہوں نے وہ ساری کوششیں کر ڈالیں جو ان کی سمجھ میں آئیں، لیکن اپنی کھلی آنکھوں سے اُنہیں وہ چھلنی نظر نہیں آئی جو اُن کی ساری کوششوں کو دھیرے دھیرے کسی گمنام اور اتھاہ غار میں پہنچا رہی تھی۔ اچھی خواہش، اعلیٰ توقعات، عمدہ کپڑے، بہترین کھانے ..... ان کی دسترس میں تھے لیکن ان کے ساتھ جو ماحول ہونا چاہیئے وہ نہ اسکول میں تھا، نہ گھر میں، نہ محلے میں، نتیجہ یہ ہوا کہ توقعات اور خواہشیں تو اُن کے پاس رہ گئیں، اچھے کپڑے اور اچھے کھانے ان کے بیٹے منوّر عرف منّو کی طرف منتقل ہو گئے۔

محلّے میں بالکل نئے لڑکوں کا جو ایک گروپ اُبھرا تھا، اس میں منو کی حیثیت ممتاز تھی۔ یہ لڑکے بہت سی جانی انجانی حرکتوں میں سرگرم تھے۔ ان کے بغیر بعض حرکتیں قانون کے دائرے میں آگئی تھیں اور ان میں چند کے نام پولیس ڈائریوں میں درج ہو گئے تھے۔ منّو اتنا ہوشیار اور ذہین ضرور تھا کہ وہ بڑی صفائی سے پولیس کے جال سے بچتا رہا، اس کی تیزی تو دوسرے رُخ پر مڑ کر اپنا کرشمہ دکھا رہی تھی۔ اس کا معصوم اور بھولا بھالا چہرہ بھی اس کے بڑے کام آیا۔

اس کا بالغ ہوتا ہوا ذہن ہر بات کا ایک جواز تلاش کر لیتا۔ باپ اسے جو بھی نصیحت کرتے، اس کی کاٹ اُس کے پاس موجود تھی۔ وہ ان کی باتوں کو بڑی آسانی سے ایک کان سے سنتا، دوسرے سے اُڑا دیتا۔

ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس نے ایسے آئیڈیل تلاش کر لئے تھے جنہوں نے تعلیم کے میدان میں صفر ہونے کے باوجود کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ اس کے ذہین اور بڑے ہوتے ہوئے ذہن میں یہ بات لگاتار گشت لگاتی رہتی کہ ابا نے اتنا پڑھ لکھ کر کون سا تیر مار لیا ..... پرانے زمانے کے بی۔ اے، درجنوں ڈگریوں پر بھاری علم، بھاری بھرکم کتابوں کے درمیان رہنے والے ابا اب بابو بن کر ریٹائر کریں گے .....

www.taemeernews.com

اس کے کمرے میں چاروں طرف اخباروں اور رسالوں سے کاٹی ہوئی ان فلم ایکٹروں، کرکٹ کھلاڑیوں، فٹ بال کھیلنے والے، گلوکار، سیاست داں، کروڑپتیوں وغیرہ وغیرہ کی تصویریں چسپاں تھیں جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں۔ لیکن ابا تو اس کے کمرے میں آتے ہی نہیں تھے اور آبھی جاتے تو ان رنگین تصویروں سے وہ کیا پڑھ سکتے تھے۔؟ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی اُس کا کمرہ ایک الگ جزیرہ تھا۔

ابا کا کمرہ ایک الگ جزیرہ .....

وہ تو اپنی ہی بہت سی مثالوں میں خود ہی گڈمڈ رہتے اور وہ انہیں رحم بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا۔ محلے کے بنئے کے بارے میں وہ کہتے۔

"پیسوں میں تو کیشو ساؤ بھی کھیل رہا ہے لیکن جاہل ..... بدن پر ڈھنگ کے کپڑے بھی نہیں، اُسے کتنے لوگ سلام کرتے ہیں جب کہ ....."

ابا کی تھیوری اس کی سمجھ ہی میں نہ آتی۔ آخر اس دنیا میں اسے کیا حاصل کرنا تھا' یہ بات تو ان کی کسی نصیحت اور مثال سے واضح نہیں ہوتی تھی۔ اگر سلام کرنا ایک بات تھی تو لوگ اب اس کے گروپ کے لڑکوں کو بھی سلام کرنے لگے تھے۔ تعلیم حاصل کر کے نوکری ہی مل جاتی تو پھر اخباروں میں لاکھوں پڑھے لکھے بے روزگاروں کے مسئلے کیوں چھپتے رہتے اور خود محلے میں ایسے کتنے پڑھے لکھے نوجوان تھے جو برسوں سے بے روزگار تھے۔ رہی عزت و احترام کی بات تو خود ابا کی مثال سامنے تھی جنہیں راہ چلتے کوئی بھی روک کر اس کی غلط سلط شکایت کر سکتا تھا اور پھر دُور سے تماشہ دیکھ دیکھ کر مسکراتا بھی رہتا۔

پڑھ لکھ کے اُسے ابا ہی کی طرح زندگی گزارنی تھی تو وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ اس کے سامنے دنیا کے عیش و آرام کی ساری حقیقتیں کھل چکی تھیں اور وہ ان میں ہر حال میں اپنا حصہ چاہتا تھا ـــــ اس طریقے سے نہیں جس طریقے سے ابا چاہتے تھے بلکہ اُن طریقوں سے، جن سے وہ آہستہ آہستہ واقف ہو رہا تھا۔

یوں وہ ان کے کہنے پر پڑھ بھی رہا تھا۔ ابا نے اُسے دو دو جگہ ٹیوشن رکھوا دیے تھے۔ وہ وقت پر اسکول بھی جاتا۔ ٹیوشن پر بھی۔ ہوم ورک بھی بناتا اور جب ابا گھر میں رہتے' اپنے کمرے میں

www.taemeernews.com

پڑھنے پر بھی مستعد رہتا لیکن ذہن ..... وہ تو ہمیشہ نت نئے پروگرام میں اُلجھا رہتا۔ عالیشان بلڈنگیں، نئی نئی چمکیلی اور قیمتی کاریں، دنیا بھر میں ہوائی جہازوں سے سفر، بے شمار دولت اور نہ جانے کیا کیا .....

اس کے ٹیچروں کو کوئی شکایت بھی نہیں تھی، پھر بھی حیرت انگیز طور پر اس کا ریزلٹ اچھا نہیں آتا، رپورٹ کارڈ دیکھ کر سبھی اپنا سر پکڑ لیتے۔

خاں صاحب بھی اب اس کی طرف سے کافی مایوس ہو چکے تھے۔ ان کی برسوں کی محنت کا ابھی تک کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ کسی معجزے کے انتظار میں بھی نہیں تھے، پھر امید کی ایک دھجی تو ہاتھ میں تھی۔ منّو کی ابھی عمر ہی کیا تھی، اُس کی سمجھ ہی کیا ـــــ بالکل بچہ ہی تو تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ آخر وہ اس سے اُمید نہیں لگاتے تو پھر کیا کرتے ـــــ ایک طرح سے وہ ان کی مجبوری بن چکا تھا۔ ایسی مجبوری، جسے کہیں اُتار کر پھینکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ دل ہی دل میں انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ خدا خدا کر کے جیسے ہی وہ اسکول پاس کر جائے، وہ اُسے علی گڑھ بھیج دیں گے۔ اس کے لئے ضروری اخراجات میں جو بھی کٹوتی کرنی پڑے، وہ کریں گے، لیکن پہلے وہ اسکول تو چھوڑے۔

وہ جب سر جھکائے انہی دھن میں گھر یا مسجد جا رہے ہوتے اور کسی گوشے میں متحرک لڑکے ان کے لئے راستہ چھوڑ دیتے۔

"ارے ہٹ ..... منّو کے ابا....."

تو اس تعظیم پر ان کا جی چاہتا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ سما جائیں۔ اس طور بھی وہ پہچانے جائیں گے، یہ تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، مسجد میں جا کر نماز سے فارغ ہو کے وہ دیر تک اپنی حالت پر روتے رہتے۔

محلے اور اس کے آس پاس کا ماحول بہت نازک ہو گیا تھا۔ علاقہ انتظامیہ کی نگاہوں میں ہونے کے باوجود اُس کے لئے خاصا دردِ سر ثابت ہو رہا تھا۔ طرح طرح کے جرائم دھڑلے سے ہوتے اور ساری تدبیریں ناکام ثابت ہوتیں۔ لوٹ مار، چھُرے بازی، یہاں تک کہ قتل بھی۔ اجنبیوں کا وہاں سے گزرنا کھلم کھلا خطرے کو دعوت دینا تھا۔ مقامی لوگ بھی بدمعاشوں کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں تھے۔ کئی لوگ اُن کے شکار ہو چکے تھے۔ شاید وہ اُنہیں پہچانتے بھی تھے لیکن ہمت نہیں تھی کسی

www.taemeernews.com

کا نام لینے کی۔ قانون بے بس تھا، اُسے اپنے فرائض کی تکمیل کے لئے ہر موقع واردات پر ایک گواہ چاہیئے تھا جو .....

صورت حال بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ کوئی کچھ نہیں کر رہا تھا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے سب بیٹھے تھے۔

اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ روشنی یوں بھی کم رہتی اور گندگی کے بے پناہ انبار سے بہت حکمت عملی کے ساتھ نکلنا پڑتا۔ جو لوگ دیر سے آنے پر مجبور تھے، اُنہیں اپنے قدموں کی گنتی یاد رکھنی پڑتی..... کون سا قدم محفوظ ہوگا اور کون سا گندگی کے انبار پر پڑ جانے کے سبب انہیں کہاں لے جائیگا وغیرہ...

خاں صاحب تو یوں بھی بدحواس آدمی تھے۔ پھر وہ دن کی روشنی رہتے ہوئے آجاتے۔

اس روز تو محض اتفاق تھا۔

اچانک چند آدمیوں نے اُنہیں آگھیرا اور بغیر کسی تمہید کے لگے زدوکوب کرنے۔ ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ ان میں سے کسی کو پہچانتے بھی نہیں تھے، یوں وہ کس کو پہچانتے تھے۔ وہ تو منو کو بھی اس لئے پہچانتے تھے کہ وہ .....

جب وہ لوگ اُنہیں اچھی طرح دہشت زدہ کر چکے تو .....

لیکن وہ اس قدر حواس باختہ ہو چکے تھے کہ اُنہیں کچھ پتہ ہی نہیں چلا.....کوئی غیبی امداد سامنے آئی اور بہت بہادری اور بے جگری سے لڑتے ہوئے حملہ آوروں کو مار بھگایا اور ان کے بکھرے ہوئے قلم، چشمہ اور فائل سمیٹ کر انہیں سہارا دیتے ہوئے .....

جو کہانی تھوڑی دیر کے لئے ڈیوڑھی سے باہر گئی تھی ..... وہ واپس .....

یعنی صبح کا بھولا شام کو .....

www.taemeernews.com

کِرچیاں

آنکھیں کُھلتے ہی اُسے وہی بات یاد آئی اور اُسے ایک بار پھر اُبکائی سی آگئی ۔ تیزی سے اُٹھ کر وہ واش بیسن کی طرف گئی اور عو۔عو کرنے لگی ۔ حلق کی گہرائیوں سے تھوک کے گاڑھے گاڑھے چکتے نکلے ۔ اس کوشش میں اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے ، چہرے پر پانی کی چھینٹیں ڈال کر اُس نے قدرے راحت محسوس کی ۔

بستر پر واپس آکر وہ نڈھال سی پڑ گئی ۔

پڑی رہی ـــــ پتہ نہیں کب تک کہ رامو نے دروازے پر دستک دی ۔ اُس کا جی چاہا کہ کچھ جواب دے ..... چپ چاپ ..... رامو نے دو تین دستکیں دیں ، پھر بہت آہستگی کے ساتھ اندر داخل ہوا ۔

"بی بی جی ، کیا بات ہے ، آپ نے ابھی تک چائے نہیں مانگی ـــ ؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی ـــ ؟ ڈاکٹر کو بُلالاؤں ـــ ؟"

رامو نے ایک ساتھ کئی سوالات اُگل دیے ۔ چائے وہ ہمیشہ طلب کرنے پر ہی لاتا ۔ اس کا ' چائے پینے یا کسی اور کام کے لئے کوئی وقت مقرر تو تھا نہیں ، آنکھیں کھلتیں اور جی چاہتا تو وہ گھنٹی دبا دیتی ۔ رامو چائے تیار کئے ، گھنٹی کی آواز پر کان لگائے رہتا ۔

www.taemeernews.com

اس وقت رامو کا آنا اور سوالوں سے گھیرنا اُسے سخت ناگوار گزرا، وہ چُپ چاپ پڑی رہی لیکن رامو کہاں ہار ماننے والا تھا۔

"بی بی جی، لیموں کی چائے لاؤں ــــ؟ پی لیجئے، طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

عجب چمٹ جانے والی چیز تھا یہ رامو بھی۔ آنکھیں بند کئے اس نے اسے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ جانتی تھی کہ آسانی سے ٹلنے والا نہیں۔ اس کی تشفی کے لئے کچھ کہ دینا بہت ضروری تھا۔

رامو چلا گیا تو اُسے تنہائی سے ایک گونہ اطمینان محسوس ہوا۔

اُسے اس وقت تنہائی کی سخت ضرورت تھی۔

لیکن کب تک ــــ؟

رامو تو کسی مذہبی فریضے کی طرح صبح ہی سے چائے کا پانی گرم کئے گھنٹی کی آواز پر چوکنا بیٹھا رہتا۔ اُسے آنے میں دیر ہی کتنی تھی۔

اُس نے سوچا کہ اُٹھ کر دروازہ بند ہی کر دے اور رامو لاکھ پیٹتا رہے، دروازہ نہیں کھولے، رامو چائے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوا۔ چائے وہ بناتی تھی لیکن رامو نے شاید کچھ سوچ کر انتظار نہیں کیا اور ٹرے تپائی پر رکھ کر چائے بنانے لگا۔

اس نے ایک آنکھ کھول کر چائے بنانے میں مصروف رامو کی طرف دیکھا۔ اس سے دُگنی عمر کا رامو اس کا کیا لگتا تھا ــــ؟

اُس کا کوئی گھر بار تھا یا نہیں، آج تک اس نے کوئی پتہ نہیں دیا۔ پانچ چھ برسوں سے وہ اس کے ساتھ تھا، اس درمیان وہ چند گھنٹوں کے لئے بھی کہیں گیا نہیں تھا، کتنی ہولیاں آئیں اور کتنی دیوالیاں گزر گئیں، رامو کے دل میں کبھی کوئی دیا نہیں جلا۔ اگر کوئی بھولی بسری چنگاری جلی بھی تو اُس نے اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اسے یوں چھپا کے رکھا کہ اتنا قریب رہتے ہوئے بھی اسے کبھی پتہ نہیں چلا۔ وہ خود اتنی مصروف رہتی کہ ان چیزوں پر غور کرنے اور سوچنے کا اسے وقت نہیں تھا۔ وہ تو اس وقت .....

لیکن یہ رامو تو کمال کا آدمی ہے، مرد ہے لیکن مردوں والی کوئی بات نہیں، آخر یہ تجرد کی زندگی کیوں گزار رہا ہے اور اس سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیسے۔؟

www.taemeernews.com

اتنے دنوں سے وہ اس کے ساتھ ہے، پتہ نہیں کن کن زاویوں سے اور کہاں کہاں سے اس پر اس کی نگاہیں پڑی ہوں گی۔ وہ کوئی بیاہتا قسم کی محتاط عورت تو تھی نہیں، نہ اس کے ہاں محرم نامحرم کا کوئی تصور تھا۔ وہ مردوں کو چاہے وہ جس عمر کے ہوں، پڑھنے ــــ نہیں ان کی آنکھوں کو پڑھنے۔ نہیں، آنکھوں کی چمک کو پڑھنے میں ایک ملکہ حاصل تھا۔ اپنے بارے میں کم از کم یقین کی حد تک اُسے یہ گمان تھا لیکن رامو کی آنکھوں میں چمک تو کیا، چمک کی ایک جھلک بھی کبھی اسے نظر نہیں آئی تھی..... تلاش کرنے پر بھی نہیں ..... وہ چمک دمک کی اس دنیا کی عادی ہو چکی تھی۔ رامو کے اس سرد رویے اور بے توجہی پر، اُسے ہتک کا احساس بھی ہوا لیکن ــــ

ایک نوکر کے لئے ــــ

تنخواہ پانے اور اس کی روٹیوں پر پلنے والے ایک بے حد معمولی شخص کے لئے کیا سوچنا۔

اس نے سر جھٹک دیا۔

لیکن آج وہ اس سر کو جھٹکنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

یوں بھی اس کا سر آج اتنا بھاری تھا کہ جھٹکنے کی بات تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"لیجئے بی بی جی ــــ اب جلدی سے پی لیجئے، طبیعت ایک دم ٹھیک ہو جائے گی ــــ"

اُس نے اپنے روایتی خلوص کے ساتھ چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

اُس نے دونوں آنکھیں کھول کر غور سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ اُسے کیا سمجھتا تھا ــــ؟

ماں .....

بہن .....

بیٹی .....

یا .....؟

اس بے حد معمولی آدمی نے اُسے کس اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ اُس کی طرف سے جو بات سوچتی، اس کا وہ خود جواب تک نہیں دے سکتی تھی۔

اپنی بے بسی پر اُس کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے جنہیں وہ جلدی سے پی گئی اور بہ مشکل تمام

www.taemeernews.com

اٹھتے ہوئے چائے کی پیالی اُس نے تھام لی ۔ رامو مطمئن ہوکر برتن سمیٹ کے چلا گیا تو اس نے پیالی پھر تپائی پر رکھ دی ۔

یہ کم بخت رامو خواہ مخواہ اس وقت اس کے آرام میں مخل ہوا تھا ۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر آئے گا اور اسے تیار ہونے کا گویا حکم دے گا ' پھر ناشتہ کرنے کے لئے کہے گا ' وہ اس کا تیار کردہ ناشتہ کھانے پر مجبور ہوگی ' پھر وہ اسے تاکید کرے گا کہ وہ وقت پر لنچ لینے ضرور آجائے یا اگر مناسب ہو تو منگالے ۔ پھر وہ رات کے لئے .....

پھر سویرے سویرے سونے اور سویرے اُٹھنے کے فوائد پر وہ لکچر دے گا ....

اُف .....

انجانے پن میں وہ کس طرح اس کے جنگل میں پھنس گئی تھی ۔

وہ اس کے ہر حکم کو ماننے لگی تھی ۔

غلامی کی حد تک ــــــ

اس کا سبب ــــــ ؟

وہ کچھ اس طرح مصروف ہوگئی تھی کہ اپنے بارے میں کچھ سوچنے کی اُسے فرصت ہی نہیں تھی ' ایسی صورت میں ایک آدمی اگر اس کا خیال رکھتا ہے تو .....

لیکن اس آدمی کو یہ حق تو نہیں پہنچتا نا کہ .....

زندگی کے جس کھونٹے پر اس نے اپنے آپ کو باندھ رکھا تھا ' اس پر اسے ہرگز ندامت نہیں تھی ۔ اس کو باندھنے والے ساری ریشمی اور بھدّے دھاگے اُس کی اپنی پسند کے تھے ورنہ آج وہ بھی عام لڑکیوں کی طرح ایک چولہے پر اپنی زندگی سینکتی رہتی ' چھوٹے چھوٹے بچے اس کے بدن سے چمٹے رہتے اور ایک مرد کے حکم پر اُسے بے چوں چرا عمل کرنے پر مجبور رہنا پڑتا ' اس کی گارنٹی ہرگز نہیں تھی کہ اُسے محبت ملتی یا نفرت ۔

اُس نے شروع سے یہ طے کر رکھا تھا کہ وہ ایک آزاد زندگی گزارے گی ' سو وہ ایک آزاد زندگی گزار رہی تھی ۔ اس کی سب بہنوں کی شادیاں ہوگئیں ' بھائی روزگار سے لگ گئے اور اپنے اپنے گھروں میں ایک ایک عورت پر اپنے حکم چلانے لگے ۔

www.taemeernews.com

ماں باپ جب تک زندہ رہے، اسی کوشش میں مصروف رہے کہ اُسے بھی زندگی کی عام دوڑ میں ہانک دیں، لیکن وہ ارادے کی پکی نکلی۔

اپنے طور پر ہر بندھن سے وہ آزاد تھی۔ خود کماتی، اپنی پسند کی زندگی گزارتی، خود کھاتی۔ دیکھنے والے بھلے ہی اس پر ترس کھاتے رہیں تو یہ اُن کا مسئلہ تھا، اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔

سوچتے سوچتے اُسے پھر وہ سب کچھ یاد آگیا جس نے نہ صرف اُس کی صبح غارت کی تھی بلکہ پورے دن کا بھی بھگوان ہی مالک تھا، کئی دنوں کا مستقبل بھی تاریک نظر آرہا تھا۔

اس نے ہمیشہ اچھی چیزوں کا رشتہ اپنے آپ سے جوڑ رکھا تھا۔ اچھا مکان ..... اچھا کھانا ..... اچھا کپڑا ..... اچھی خوشبو ..... اچھا ماحول ..... اور پسندیدہ مرد۔ اُسے اُن عورتوں پر ترس آتا جو زندگی بھر کسی ایک ہی مرد کے ساتھ ہنس کر یا رو کر کسی طرح گزار ہی لیتی ہیں۔ مرد کانا ہو، لولا ہو، لنگڑا ہو، بدمعاش ہو، شریف ہو، اِس سے ان کو کوئی مطلب نہیں، وہ کسی دوسرے مرد کے بارے میں سوچنا یا دیکھنا گناہ سمجھتی ہیں اور مرد .....

اس کے لئے تو افتخار یہی ہے کہ اُس کی ڈائری ہیں، چاہے وہ کبھی لکھی نہ جائے، کتنی لڑکیوں اور عورتوں کے نام پتے درج ہیں .....

اس نے سارے Myths کا خاتمہ کر ڈالا تھا، وہ باقاعدہ ڈائری لکھتی تھی۔ اس نے تعلقات رکھنے کے معاملے میں اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ مخالف جنس اس کی پسند اور معیار پر بھی پورا اُترے۔ وہ کوئی بکنے والی شئے تو تھی نہیں، البتہ وہ پیسوں میں اضافہ کرنے والی چیز ضرور بن گئی تھی۔

یہ بات اتنی آہستگی اور غیر شعوری انداز میں ہوئی تھی کہ خود اُسے اس بات کا پتہ بہت بعد میں چلا تھا۔

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ گٹر ہی میں چلی گئی تھی، نالی میں رینگنے والا کیڑا بن گئی تھی، سنڈاس میں بجبجانے والے .....

اُسے ایک بار پھر اُبکائی آگئی۔

اُس نے اگالدان میں پھر سارا تھوک اُگل دیا جو اس کے پیٹ کی گہرائیوں سے ہوتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ آواز سن کر رامو دوڑا ہوا آیا۔ چائے رکھی رکھی سرد ہو چکی تھی۔

"بی بی جی، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں .....؟ آپ نے چائے بھی نہیں پی، ڈاکٹر کو بلا لاؤں۔؟"

www.taemeernews.com

وہ واقعی تشویش میں مبتلا ہوگیا تھا۔
اس نے غور سے رامو کی طرف دیکھا۔
یہ آدمی .....
نہیں ..... نہیں .....
یہ آدمی اس کا کوئی نہیں لگتا تھا۔ وہ محض اس کے چند ٹکڑوں اور ٹھیکروں کے عوض اپنی محبت بیچ رہا تھا .....
اتنی دیر میں اس نے اپنے آپ پر کافی قابو پالیا۔
"رامو، ایک بات کہوں، مانو گے ——؟"
اس نے بے حد سنجیدگی سے دریافت کیا۔
"ہاں بی بی جی ..... آپ جو کہیں، آپ کہیں تو ....."
"تو پھر اس وقت مجھے بالکل تنہا چھوڑ دو، مجھے کوئی چائے وائے نہیں پینی، کوئی دوا نہیں لینی، اس وقت مجھے صرف تنہائی کی ضرورت ہے ....."
"بی بی جی، آپ کی طبیعت ....."
"بی بی جی مر نہیں رہی ہے ..... اطمینان رکھو اور مر بھی جائے گی تو تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا، تمہارے سب پیسے تمہیں مل جائیں گے ....."
وہ تلخی پر اُتر آئی، لیکن رامو بھی ایک ہی ڈھیٹ تھا، اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوا، اس کی ڈانٹ کو تو اس نے جیسے پھولوں کا اُپہار سمجھ کے قبول کیا اور پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔
جیسے ایک بھونچال سا آگیا، وہ بہت زور سے چیخی۔
"میں کہتی ہوں، تم باہر جاؤ ....."
رامو ایک دم سے بھونچکا رہ گیا۔ وہ اس پر اس طرح کبھی نہیں چیخی تھی۔ وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔
اس نے دوڑ کر دروازہ بند کردیا اور مسہری پر بیٹھ کر ہانپنے لگی۔ چند ہی لمحوں کے بعد اس نے محسوس کیا کہ چیخ کے ساتھ اس کی گھٹن اور تلخی بھی قدرے باہر نکلی ہے، اُسے اپنا آپ ایک گونہ ہلکا سا محسوس ہوا۔ اس کی نگاہیں تپائی پر رکھی لیموں کی ٹھنڈی چائے پر پڑیں، اس نے پیالی اٹھائی اور

www.taemeernews.com

غٹ غٹ پی گئی۔ چائے کا کچھ مزا باقی نہ رہا تھا' البتہ چائے کی ٹھنڈی تلخی میں لیموں کے عرق نے ایک بالکل انجانے مزے کو جنم دیا تھا۔

اُسے یہ مزا اچھا لگا' وہ پھر لیٹ گئی۔

لیکن بیتی رات کی تلخی .....

اُسے ہر دم یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کہیں سے ٹوٹ گئی ہے' انجانے لمحوں کے ہاتھ اس نے شکست کھائی ہے' وہ ..... جس نے ہمیشہ منھ زور گھوڑے کی سواری پسند کی' آج اُسے گدھے کی سواری کرنی پڑی ہے۔

ایک آزاد زندگی گزارنے کے نتیجے میں اس نے اپنے اندر' اپنا جو مجسمہ بنایا تھا' وہ اس کی حقیقی زندگی سے بہت بڑا تھا اور اسے ہمیشہ بڑا دکھائی بھی دیتا ....

وہ مجسمہ اچانک بہت چھوٹا ہو گیا تھا۔

اس کی زندگی سے بھی چھوٹا۔

یہی نہیں ..... وہ اس حد تک شکستہ بھی ہو گیا تھا کہ اُس پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالنے کی اس کی خواہش مجروح ہو گئی تھی۔

انجانے پن میں' اس نے اپنے آپ کو کس طرح اپنی ہی نگاہوں میں Let Down کر دیا تھا .....

یہ بات اُسے کسی طرح بھولتی ہی نہ تھی۔

فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔

مسلسل بجتی رہی۔ اُسے بالکل خواہش نہیں تھی کہ اس وقت کسی سے بات کرے' واقعی اسے اس وقت تنہائی کی ضرورت تھی۔

رامو رہتا تو اس کے اشارے پر بڑے اطمینان سے فون پر کوئی بہانہ بنا دیتا' فون کی آواز سن کر وہ یقیناً مضطرب ہو گا اور بند دروازے کے باہر منڈلا رہا ہو گا۔

لیکن نہیں۔ وہ دروازہ نہیں کھولے گی' اُسے ہر حال میں یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ اس کا تنخواہ دار ہے اور بس۔

www.taemeernews.com

فون تھا کہ بج ہی رہا تھا۔ بادل ناخواستہ اسے اٹھنا ہی پڑا۔

"اُوہ ..... شویتا، تم نے تو کمال ہی کر دیا، تمہیں پتہ ہے کہ تم نے کمپنی کو کتنا بڑا فائدہ پہنچایا ہے ..... ڈارلنگ تم کمپنی کے لئے واقعی ایک Asset ہو ....."

نارنگ ..... اس کی کمپنی کا ایم۔ڈی ..... بہت جوش میں تھا، کوئی اور موقع ہوتا تو ایم۔ڈی کے منھ سے اپنی اتنی تعریفیں سن کر وہ خوشی سے پھولے نہ سماتی لیکن اس وقت .....

اس وقت تو اس کا جی بس یہی چاہ رہا تھا کہ فون کا پورا آلہ اٹھا کر اس کے منھ پر دے مارے۔

اُسے اندر سے اس قدر زخمی کرنے والا یہی تو تھا۔

موتی لال نارنگ۔

ایک پُرکشش، وجیہہ اور باوقار شخصیت کا مالک ..... وہ اس کی مسحور کن شخصیت کے سبب ہی تو اس کمپنی میں کھنچ آئی تھی۔ نارنگ نے بھی اس کے جذبات کا پورا پورا احترام کیا لیکن اس کی بے خبری میں وہ اُسے کھینچ کر یہاں تک لے آیا تھا ..... اُس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے بالکل احساس نہیں ہوا اور آج .....

"سر، میں جلد ہی کمپنی کے لئے Liability ہو جاؤں گی ..."

اُس نے اپنے آپ پر قابو پا کے، بہت مشکل سے ایک نپا تُلا جملہ ادا کیا۔

"شویتا، میں سمجھا نہیں، تم کیا کہہ رہی ہو .....؟ شاید تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں، تم آرام کرو، میں بعد میں بات کروں گا ....."

قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہے یا کم سے کم فون ہی بند کر دے، اس نے فون رکھ دیا۔

ایک اور دھکا .....

وہ جیسے بالکل ٹوٹ کر بستر پر ایک دم آ کے گر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

یہ کم بخت نارنگ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے .....؟

بہت بڑا بزنس مین .....

بہت بڑا مرد .....

بہت زیادہ چالاک .....

www.taemeernews.com

بہت بڑا فراڈ .....

کس خوبصورتی سے وہ اس کا استحصال کرتا رہا ..... طرح طرح کے رنگین جال پھیلا کے۔
اس نے اُسے ایک جادوئی سحر میں جکڑ رکھا تھا۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُسے ایک ایسی سچویشن سے گزرنا ہوگا جو نہ صرف اس کی شخصیت بلکہ روح تک کو مجروح کر دیگی۔

نارنگ نے ایک تجارتی معاملے کے سلسلے میں اُسے ایک بہت بڑی کمپنی کے چیرمین سے رابطہ قائم کرنے کو کہا تھا۔ کمپنی کا وہ مسئلہ، جسے کوئی حل نہیں کر پاتا، اسے وہی حل کرتی تھی۔ بہت اہم معاملے میں ہی اس کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ ایسا کئی بار پہلے بھی ہوا تھا اور سارا معاملا اس کے Satisfaction کے مطابق ہوتا تھا۔ اس لئے اُسے نہ کبھی احساس ہوا نہ بُرا لگا، اب جو اس کی نظروں کے سامنے سے پردہ اٹھا تو ساری چیزیں اسے ننگی نظر آنے لگیں۔

خود وہ بھی ....

کس قدر بھیانک جانور تھا وہ۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک انسان اتنا بدشکل اور حیوان بھی ہو سکتا ہے .....

وہ جانور ..... اس پر ....

اندر اندر وہ بلکنے لگی۔

کس قدر ناز تھا اس کو اپنی عقل اور سمجھ پر ..... کس قدر غرور تھا اسے اپنی خوبصورتی پر...
وہ دنیا کو خاطر ہی میں نہیں لاتی تھی۔ مزاج کی کجی کے سبب اس نے ماں باپ، بھائی بہن، رشتہ دار سب کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ دنیا میں سب سے مختلف اور الگ تھلگ اکائی کی صورت میں تھی، لیکن اسے کیا پتہ تھا کہ .....

وہ شہر کے سب سے مہنگے اور عالیشان ہوٹل کے سب سے مہنگے سوٹ میں اس مہمان خصوصی کا انتظار کر رہی تھی جو اس کی کمپنی سے کروڑوں کا معاہدہ کرنے والا تھا۔ اس سے ملک گیر سطح پر اس کی کمپنی کی ساکھ تو بنتی ہی، اسے ڈبل پروموشن بھی ملتا، ممکن تھا کہ وہ کسی سسٹر کمپنی میں ایم۔ڈی ہی بن جاتی۔
یہ معاہدہ ہر قیمت پر ہونا تھا۔

www.taemeernews.com

یہ بات نارنگ نے اُسے جس طرح سمجھائی تھی، اس سے زیادہ وہ خود سمجھ گئی تھی۔ اسے اچھی طرح پتہ تھا کہ کیا چیز ضروری ہونی چاہئے اور کیا نہیں۔ وہ کمرے میں آگیا...... وہ ..... آدمی یا ....

وہ لرز اُٹھی۔ اُس کی نگاہیں بے ساختہ بند دروازے پر اُٹھیں جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے بند کر آئی تھی۔

یعنی ساری راہیں وہ خود مسدود کر کے آئی تھی۔

کنٹریکٹ کے بڑے بڑے بھوت اسے چاروں طرف سے گھور رہے تھے۔ ہر دیوار، ہر پردہ، صوفے، پھول، قالین ..... اس کے پورے جسم کے پور پور سے اور خود اس جانور کے روئیں روئیں سے اُسے بس ایک ہی آواز سنائی دے رہی تھی۔

کنٹریکٹ ....

کنٹریکٹ ....

کنٹریکٹ ....

اور .... وہ قیمتی کنٹریکٹ اُس کی کمپنی کو مل گیا۔

اس کی ترقی کے سارے زینے روشن ہو گئے، لیکن وہ خود کہاں آ پہنچی.....

دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی۔

اس نے جلدی جلدی اپنے آپ کو سنبھالا، آنسو پونچھ لئے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ رامو کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔ اُسی کے پیٹ میں اس وقت مروڑ ہو رہا ہوگا۔

اُس نے دروازہ کھولا، رامو منہ بسورے کھڑا تھا۔

"کیا ہے ــــ؟"

اُس نے قدرے خفگی سے پوچھا۔

"وہ ...... بی بی جی، آپ نے چائے .... آپ نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں مانگا ...."

"چائے میں نے پی لی تھی اور ناشتہ .... میں مانگ لوں گی لیکن اس وقت مجھے تنہا

www.taemeernews.com

چھوڑ دو رامو ..... کبھی تو میری بات بھی مان لیا کرو ..... ایک آدھ دن بھی ....."
وہ بڑی عاجزی سے بولی۔ اُسے دھتکارنے یا ڈانٹنے کا فائدہ بھی کیا تھا، وہ ماننے والا تھوڑی تھا۔

اُسے ٹھنڈا دیکھ کر رامو کا حوصلہ بڑھا اور وہ لجاجت سے بولا۔

"بی بی جی! گیارہ بج رہے ہیں، آپ کچھ کھا لیتیں تو مجھے بھی اطمینان ہو جاتا، پھر چاہے رات ہی میں کھانا کھائیں، صبح منھ میں کچھ نہیں ڈال لینے سے صحت اچھی نہیں رہتی آدمی کمزور ہو جاتا ہے اور ....."

پتہ نہیں وہ کتنی دیر تک کیا کہتا رہا، وہ تو بس اُس آدمی کو دیکھتی رہی جس کے دل میں اُس کے لئے کیا چیز اُبل رہی تھی ــــ؟

کیا وہی چیز کسی اور کے دل میں بھی اس کے لئے مچلتی تھی ــــ؟

اُسے خاموش دیکھ کر رامو دوڑا دوڑا گیا اور گرم گرم ناشتے کی ٹرے لئے یوں آموجود ہوا جیسے وہ کوئی فاتح .....

ناشتہ کب کا تیار کر کے اُس نے ہاٹ کیس میں رکھا ہوا تھا اور پل پل بس اسی امید پر وقت گزارتا رہا کہ کب اس کا مزاج بدلے اور وہ .....

نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے کچھ نوالے حلق میں اُتارنے ہی پڑے، رامو یوں اُسے دیکھتا رہا جیسے کچھ کھا کر وہ اس پر کتنا بڑا احسان کر رہی ہے۔

اِدھر اُس نے چائے کی آخری گھونٹ لی، اُدھر رامو کے اندر سکون و اطمینان کی لہریں دوڑ گئیں اور وہ بہت مطمئن سا، برتن سمیٹ کر چلا گیا۔

اب وہ اسی وقت وہاں آئے گا جب وہ اُسے طلب کرے گی۔

اس نے دروازہ بند نہیں کیا اور آرام کرسی پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

اس کا بدن بدن ٹوٹ رہا تھا۔

اس وحشی نے کمپنی کو کروڑوں کا کنٹریکٹ دیا تھا تو اس کی پوری قیمت بھی وصول کر لی تھی۔ اب تک ان معاملات میں اس کی مرضی اور خواہش ہی کا دخل رہا تھا، وہ خوب خوب محظوظ ہوتی

www.taemeernews.com

تھی۔ اُسے کبھی یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی سے مغلوب ہوئی ہے، لیکن اس وحشی نے تو اس کے اندر کے سارے نازک آئینوں کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کی کرچیوں میں وہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے شکست خوردہ شخصیت کے بکھرے ہوئے روپ میں دیکھتی رہی۔

غرور اور خودی کے اس کے پاس جتنے آبگینے تھے، وہ سب چُور ہو گئے تھے۔ آرام کرسی پر لیٹے لیٹے جب بات نہیں بنی تو وہ اُٹھ کر بالکونی میں آ گئی۔ دھوپ خوب کھلی ہوئی تھی، اس کے ہرے بھرے لان کے سارے پھول دمک رہے تھے، اگرچہ ان کی دیکھ بھال کے لئے مالی موجود تھا لیکن رامو مستعدی کے ساتھ لگا رہتا، صرف یہی نہیں گھر کے سارے چھوٹے بڑے کاموں میں اسی طرح دل چسپی لیتا۔۔۔

صرف چند روپیوں کے لئے.....

بظاہر تو یہی بات تھی.....لیکن اس بات کو تسلیم کرنا....؟

پھر کیا بات ہو سکتی تھی.....؟

یہ بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

اس وقت بھی رامو بڑی سی قینچی لئے پتیوں کو تراش خراش رہا تھا۔

اس وحشی کے فریم میں رامو کا اُبھرنا اُسے اچھا لگا۔

رامو ایسا نہیں تھا کہ اُسے دیکھ کر کوئی بھاگنے کی سوچے۔ اگرچہ وہ جوانی کی سرحدوں سے گزر چکا تھا، کنپٹی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ چندیا کے بال بھی اُڑ چکے تھے، لیکن جسم محنتی تھا۔ کسا ہوا تھا، معمولی کپڑوں میں رہتا اس لئے نگاہیں نہ پڑتیں، اسی کو ڈینٹنگ پینٹنگ کے ساتھ اچھے کپڑوں میں پیش کیا جائے تو.....

وہ عشق و محبت کی بے وقوفیوں پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ اُس کے خیال میں محبت وغیرہ کا لازمی نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے..... ایک مرد..... ایک محدود دنیا..... وہ ایک آزاد بھونرے کی طرح ہر اُس پھول کا رس اور خوشبو چکھنے کی خواہش مند تھی جو اسے پسند آتا۔۔۔

وہ رامو کو دیکھتی رہی۔

پتہ نہیں یہ کیسا مرد ہے، اس کی حرکتوں اور آنکھوں میں تو مردوں والی کوئی بات ہی نظر نہیں آتی..... اگر وہ صرف پیسوں کے لئے کام کرتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ پیسے تو وہ کسی

www.taemeernews.com

بھی فیکٹری میں مزدوری کر کے حاصل کر سکتا ہے۔

محنتی بھی تو وہ بلا کا ہے ..... ہاں ایمان دار .....

یہ ضرور ہے کہ اس نے اپنا سارا گھر اس پر چھوڑ رکھا ہے، لیکن وہ اس کا فائدہ کہاں اُٹھاتا ہے، اپنے کمرے ہی میں سونا پڑتا ہے، جو بچتا ہے، وہی کھاتا ہے، اس کے سامانوں کی ایک وفادار کٹ کھنے کتے کی طرح حفاظت کرتا ہے، یہاں سے کوئی تنکا بھی نہیں لے جا سکتا، اس کے چمن سے کوئی ایک پھول بھی نہیں توڑ سکتا۔ اس کے بدلے میں وہ اُسے کیا دیتی ہے.....؟

چند روپے .....

اُس نے منھ کھول کر کبھی کوئی فرمائش بھی نہیں کی .....

پھر.....؟

پھر.....؟

اُس کے ذہن میں سوالات کی سائیکل نہایت تیزی سے چکر لگاتی رہی۔

چکر..... چکر.....

اِس کا مطلب ہے، وہ اسے ایک اچھی عورت نہیں سمجھتا.....

اس کا مطلب ہے، وہ اسے کسی لائق نہیں سمجھتا.....

اس کا مطلب یہ ہے .....

اس کا مطلب وہ ہے .....

لیکن وہ اس کا خیال بھی تو بہت رکھتا ہے، اگر اس کا مطلب یہ ہوتا، اگر اس کا مطلب وہ ہوتا تو وہ بالکل میکانکی انداز میں اپنا کام کرتا اور بس.....

وہ اسے دیکھتی رہی۔

اتنی دیر سے وہ کھڑی ہے، کتنے راہ گیروں نے اسے دیکھا، کتنی سواریوں نے اسے تاکا اور کتنی موٹروں کے اندر سے اشتیاق بھری نگاہوں نے اسے نہارا، لیکن ایک رامو... کہ اس کی ایک نگاہ غلط انداز بھی اس پر نہیں اُٹھی، بس وہ اپنے آپ میں مشغول ہے۔ ایسا نہیں کہ اُسے پتہ ہی نہ ہو....

www.taemeernews.com

وہ کئی بار کھانس چکی ہے .....

اُس نے دو ایک بار مالی کو بھی مخاطب کیا ہے .....

وہ ایسی بھی نہیں کہ کسی کو محسوس ہی نہ ہو سکے، بھلے ہی اندر سے وہ ابھی ٹوٹی ہوئی ہے لیکن اس کے اندر اس وحشی کے خدوخال کا جو فریم ابھی تک لگا ہوا ہے، اس کا پتہ تو صرف اسی کو ہے۔ اس خدوخال کو مٹا ڈالنے کا جو تہیہ لاشعوری طور پر آہستہ آہستہ اس کے اندر ہو رہا ہے۔ اس کا پتہ بھی اُس کے سوا کسی کو نہیں ....

پھر .....؟

لیکن یہ رامو .....؟

رامو کے ساتھ اس کا ایک پروفیشنل سا رشتہ تھا جیسے بہت سے لوگوں کے ساتھ تھا۔ ملنے، ہاتھ ہلانے، ضروری باتیں کرنے اور بائی کر دینے کے بعد رشتہ ختم ..... کبھی کبھی اس روا روی میں کوئی ایک اٹک جاتا تو کچھ دیر کے لئے ایک انجانا سا رشتہ قائم ہو جاتا، پھر تم .....

رامو کے ساتھ اس کا کیا رشتہ تھا ــــ؟

اُسے پروفیشنل کے علاوہ اور کون نام دیا جا سکتا تھا ــــ؟

وہ کس روا روی میں اٹک پڑا تھا ــــ؟

بالکونی میں کھڑی کھڑی وہ تھک گئی تو پھر واپس بستر پر آ گری۔

آج وہ کس قدر تنہا تھی ....

تنہا تو وہ پہلے بھی تھی، پر وہ اُسے مانتی کہاں تھی۔ اگر کوئی اس طرف اشارہ بھی کرتا تو وہ اس کا ایک مصنوعی اور created idea کہہ کر مذاق اُڑاتی .....

لیکن آج .....

آج یہ مذاق اُسے کتنا مہنگا لگ رہا تھا۔

اگر رامو نہ ہوتا تو تنہائی کے اس اتھاہ، تاریک اور کبھی ختم نہ ہونے والے جنگل میں وہ کہاں جا کر گم ہوتی .....؟

اچانک اُس پر جھنجھلاہٹ کا ایک دورہ سا پڑا۔

www.taemeernews.com

یہ رامو کیوں اس پر سوار ہے ..... ؟
بھلا رامو سے اُس کا کیا جوڑ .....
وہ ایک اونچی سوسائٹی کی آزاد فضاؤں میں اُڑنے والی تتلی .....
اور .....وہ مٹی میں رُلا ہوا، رینگتا ہوا کیڑا .....
بے شمار مثالیں تھیں۔
پر یہ سب باتیں اس کے ذہن میں پیدا ہی کیوں ہو رہی تھیں ..... ؟
اُس وحشی کے خدوخال اور رامو کے جیتے جاگتے وجود میں آپس میں کوئی رشتہ تھا کیا ..... ؟

اُس کے جھنجھلاہٹ بھرے ذہن ہی نے اس عجیب وغریب رشتے کو جنم دیا تھا اور اسی کے ذہن کی شکستہ چہار دیواری کے اندر یہ فروغ پا رہا تھا۔

اچانک جو اس کی نیند ٹوٹی تو سورج دن بھر کے تھکان بھرے سفر کے بعد کبھی کا رخصت ہو چکا تھا، چاروں طرف رات کی روشنیاں جاگ اٹھی تھیں۔ وہ جانے کب تک سوتی رہی تھی، اس کی جھنجھلاہٹ کا ایک بڑا حصہ نیند کی تاریکیوں میں گم ہو چکا تھا اور اس پر ایک خاص قسم کا Hang Over طاری تھا۔ شاید یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا جب وہ چوبیس گھنٹے ایک ہی موڈ کے حصار میں قید رہی تھی۔ غنیمت تھا کہ وہ جھنجھلاہٹ بھرے خوابوں سے محفوظ رہی ورنہ نیند بھی غارت ہو جاتی۔

اُس نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور گھنٹی پر اپنی مخروطی انگلی رکھ دی۔ رامو فوراً حاضر ہوا۔

"تم نے مجھے جگایا نہیں ..... میں اتنی دیر سوتی رہی ..... ؟"

رامو کی آنکھیں چمک اُٹھیں ..... بالکل وہی ..... پہلی والی بی بی جی .....

"بی بی جی، آپ بہت گہری نیند سو رہی تھیں ....."

"اس کا مطلب ہے، تم کمرے میں آئے تھے ..... ؟"

خاصا شوخ تھا اس کا لہجہ ..... رامو کے لئے انجانا ..... وہ ہڑبڑا گیا اور دھیرے سے پوچھا۔

www.taemeernews.com

"بی بی جی، چائے لے آؤں ......؟"

"ہاں ...... لیکن خوب اچھی اور گرم چائے ......"

رامو کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ جو بی بی جی صبح کٹ کھنی بلی کی طرح غرا رہی تھی وہ اس وقت کلی کی طرح کیوں کر کھل رہی ہے۔

وہ دوڑ گیا۔ وہ اُسے بہت دل چسپی سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی، رامو کی صحت مند پیٹھ دیر تک اس کے سامنے رہی۔

جب تک رامو اس کے لئے چائے لائے، وہ لگ بھگ تیار ہو چکی تھی۔ وہ بناؤ سنگار میں بلاوجہ وقت ضائع کرنے والی عورتوں میں نہیں تھی۔ وہ تیار ہونے میں کسی مرد سے بھی کم وقت لگاتی تھی۔ جین شرٹ ڈال کر، باب ہیئر میں ایک گہری کنگھی لگا کے وہ جوتوں کے تسمے باندھ رہی تھی۔

رامو نے چائے تپائی پر رکھی اور جواب اچھی طرح جانتے ہوئے بھی پوچھا۔

"رات کا کھانا ......؟"

"رات کا کھانا ......؟"

ایک لمحہ کے لئے اُسے کوئی جواب نہیں سوجھا لیکن جو اچھا موڈ لے کے اٹھی تھی، وہ ابھی تک طاری تھا۔

"کیا بناؤ گے ___؟"

اُس نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے دریافت کیا ___ رامو کی باچھیں کھل گئیں۔

بی بی جی رات اور دوپہر کا کھانا کھاتی کہاں تھیں۔ گاہے گاہے اگر گھر پر رہنا ہی پڑا ___ لیکن اس کا موقع ہی کب آتا تھا۔

"بی بی جی، جو آپ کہیں، جو آپ کو پسند ہو ......"

وہ ایک فرماں بردار بیاہتا عورت کی طرح بولا۔

"تو پھر ایسا کرو کہ ......"

اس نے اپنے چند پسندیدہ کھانوں کے نام لئے، اسے چند ہدایات دیں اور کار کی چابی گھماتے ہوئے نیچے اُتر آئی۔

www.taemeernews.com

رامو کے لئے جیسے کوئی تہوار آگیا۔ بی بی جی خدمت کا اسے موقع کہاں دیتی تھیں۔ بس صبح کی چائے ..... ہلکا پھلکا سا ناشتہ، پھر کبھی کبھار جو اس نے بنا دیا۔ فرمائشی کھانا تو ایک پہنے کی بات تھی جو آج ہی سا کار ہوا تھا۔ رامو کو رہ رہ کے احساس ہوتا کہ اس شاندار فلیٹ میں وہ اتنا عیش کرتا ہے، کھانے پینے کی بہتات ..... بی بی جی تو یہاں کا بھنڈار بھرتی رہتی ہیں جب کہ کسی چیز کے استعمال کی کم ہی نوبت آتی ہے اور پھر مہینے کے پیسے بھی .....

اس کے پیسے کہاں خرچ ہوتے اور کیسے .....؟

وہ بی بی جی کے احسانوں تلے خود کو دبا ہوا محسوس کرتا، وہ اُن کی ہر طرح کی خدمت کر کے اس بوجھ کو کم کرنے کی کوشش کرتا رہتا لیکن بوجھ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا .....

وہ تو پتہ نہیں آج کیسے ان کی طبیعت خراب ہو گئی، وہ کل سے گھر پر رہ گئیں اور آج .....

لیکن بی بی جی کو آج بھی فرصت نہیں تھی۔ وہ رات گئے واپس آئیں تو اس نے اُن سے پوچھے بغیر کھانے نکال دیے۔

"کیا کر رہے ہو رامو ــ؟"

"بی بی جی کھانا ..... آپ ہی نے تو ....."

"اوہ سوری ..... میں تو کھانا کھا کر آئی ہوں۔ کچھ یاد ہی نہیں رہا، کچھ ایسے دوستوں کی کمپنی مل گئی کہ ....."

وہ واقعی نادم تھی۔ رامو کا منھ اتر گیا، پتہ نہیں اسے اس پر ترس آگیا یا .....

"رامو، اگر تم چاہو تو میں تمہارے بنائے ہوئے کھانے کھا سکتی ہوں .....؟"

اس نے بہت ہی معنی خیز انداز میں پوچھا جسے سمجھنے کی صلاحیت رامو میں تو ہرگز نہیں تھی، لیکن وہ کھل اُٹھا۔

"بی بی جی ..... آپ ..... آپ ....."

وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"رامو، ایسا کرو، جلدی سے صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور منھ ہاتھ دھو کر آجاؤ ....."

بی بی جی کا حکم اُس کی سمجھ میں نہیں آتا، پھر بھی حکم کا بندہ تھا، دوڑا دوڑا گیا اور حکم کے

www.taemeernews.com

مطابق انجام دے کر واپس آیا۔ صاف ستھرے کپڑے پہن کر اور صابن سے منھ ہاتھ دھو کے وہ اچھا لگ رہا تھا۔

"اب تم میری کرسی پر بیٹھ کر یہ کھانا کھالو....."

انداز تحکمانہ تھا، رامو اُس کا منھ دیکھتا رہا۔

"رامو، جو میں کہہ رہی ہوں، کرو۔ سمجھ لو کہ تم نہیں، میں کرسی پر بیٹھی ہوں اور تم نہیں، میں کھا رہی ہوں....."

رامو کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اس سخت حکم کی فوراً تعمیل کرے۔

وہ بہت دل چسپی کے ساتھ اسے کھاتے دیکھتی رہی۔ وہ جہاں سُست پڑتا تو خود ہی اس کی پلیٹ بھر دیتی، رامو بس بس کرتا رہ جاتا۔ بی بی جی کو اس میں کون سا مزا مل رہا تھا.... پتہ نہیں آج وہ کس موڈ میں تھیں۔ آج صبح صبح تو کاٹنے دوڑ رہی تھیں اور اب ..... بڑے آدمیوں کی بڑی بات...

لیکن پیٹ کی تھیلی کو کھینچ کھانچ کر کتنا بڑا بنایا جا سکتا ہے ——— ؟

رامو کی تھیلی کے اندر ایک دانہ بھی جانے کی جگہ نہیں رہی تو اس نے ہاتھ کھینچ لیے۔

"یہ کیا .....؟ اور کھاؤ بھائی....."

"نہیں بی بی جی، بس .....اب اس سے زیادہ نہیں....."

اب اور کھانا واقعی اس کے بس کی بات نہیں تھی، اُس نے واش بیسن کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور جب وہ ہاتھ دھو کر لوٹا تو وہ پھر بستر پر لوٹ رہی تھی۔ وہ گھبرا گیا۔

"کیا ہوا بی بی جی .....؟ کیا ہوا، پھر آپ کی طبیعت .....؟"

"ہاں رامو، بہت....."

وہ کراہ کر بولی۔

"میں جلدی سے ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔ آپ کی طبیعت تو آج صبح ہی سے...."

"نہیں رامو...." اُس نے بے ساختہ رامو کا ہاتھ پکڑ لیا....." ڈاکٹر کی ضرورت نہیں، تم بس اس وقت میرا بدن دبا دو....."

رامو دنگ رہ گیا..... شاید بی بی جی کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب ہے اور یقینی انہیں

www.taemeernews.com

مدد کی ضرورت ہے ..... لیکن اتنی بڑی مدد .....

"جلدی کرو رامو، میں مر رہی ہوں اور تم ابھی تک ....."

وہ بستر پر تڑپ رہی تھی۔

رامو نے جلدی سے .....

لیکن بیمار بی بی جی میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی کہ انہوں نے پوری طاقت سے اُسے اپنے اوپر کھینچ لیا، پھر .....

ہُک .....

بٹن .....

زِپ .....

چین .....

——— اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن بی بی جی کی گرفت اس قدر مضبوط تھی .....

اتنے ہی دیر میں انہوں نے اسے بھی کس حال کو پہنچا دیا تھا۔

کشمکش ..... طاقت ..... اور طاقت ..... پوری طاقت .....

رامو کی کنپٹی گرم ہوئی، پھر اس کا ماتھا، پھر .....

اُس نے اپنی پوری طاقت سے بی بی جی کے بھبھو کا گال پر ایک زوردار طمانچہ دے مارا...

وہ بستر کی دوسری طرف جا گری، اس کا سر گھومنے لگا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا۔ فریم کی کرچیاں اس کے کومل بدن کے چاروں طرف لپٹ گئیں۔ اسی فریم کی .....

www.taemeernews.com

ربر کی گیند

۸۴۰ دبے پاؤں اس کے پاس سے یوں گزری کہ اُسے آہٹ بھی محسوس نہ ہوئی۔ وہ تو جب فیروزہ کی نقرئی ہنسی اُس کے کانوں میں گونجی تب اُسے پتہ چلا۔ سیٹھ تولارام گاڑی سے اُتر کر ستّار کے پان کی دوکان پر خوشبودار گلوریاں بندھوا رہا تھا اور فیروزہ سے حسبِ معمول آنکھوں آنکھوں میں اس سے کیا باتیں ہو رہی تھیں کہ فیروزہ ہنس رہی تھی اور .....

ہمیشہ کی طرح اس منظر سے وہ اندر اندر بلبلا اُٹھا۔

لیکن یہ تو روز کا معمول تھا۔

سیٹھ تولارام تقریباً روز ہی اپنی دولت کا سہارا لے کر اُس کی محبت کا مذاق اُڑانے چلا آتا اور اس کے سینے پر مونگ دَل کے، اُسے آٹھ آٹھ آنسو رُلا کے اطمینان سے واپس چلا جاتا، لاکھ چاہنے اور ہزار کوشش کرنے پر بھی وہ اُس کا کچھ بگاڑ نہیں سکا تھا۔ اندر اندر خون کے جو آنسو تیار ہوتے، وہ چپ چاپ آنکھوں سے نکل جاتے۔ بنی سنوری فیروزہ ۸۴۰ میں بیٹھ کر چلی جاتی تو وہ پھر پوری دل جمعی کے ساتھ طبق کوٹنے میں مصروف ہو جاتا۔

سیٹھ تولارام کو یہیں آنے، فیروزہ سے آنکھ مچولی کھیل کے لئے جانے اور اسے خون کے آنسو رُلانے میں کوئی خاص مزا ملتا ورنہ بازار میں تو ایک سے بڑھ کر ایک فیروزائیں تھیں۔ نوجوان

www.taemeernews.com

خوبصورت، نازنین، انچھوئی، تازہ مکھن کی طرح شفاف ..... مگر سیٹھ کو دل چسپی تھی تو صرف فیروزہ سے، اُس کی اپنی فیروزہ سے۔ اگر نہ ہوتی تو سیٹھ کا کیا بگڑتا، البتہ اس کا بہت کچھ سنور جاتا، لیکن سیٹھ تک یہ بات پہنچے کیسے ــــ؟ وہ تو شاید ایک ایسا رینگتا ہوا کیڑا تھا جس کے لئے سیٹھ کے کھاتے میں ایک نگاہ غلط انداز بھی موجود نہیں تھا۔ طبق کوٹتے ہوئے اس کے سامنے سے سیٹھ کی گاڑی نکل جاتی، اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ گاڑی میں بیٹھا ہوا شخص تو لارام ہے یا کوئی بھوت۔ اس کی نگاہیں تو فیروزہ پر ٹکی رہتیں جو چہلیں کرتی ہوئی سیٹھ کی گاڑی میں بڑی شان سے بنی سنوری آکر بیٹھ جاتی اور پھر .....

آنکھوں میں خوشی و مسرّت اور حسرت و یاس کی جو لہریں پیدا ہوتی ہیں اُنہیں پڑھنے کے لئے شاید کسی ڈگری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ طبق کوٹنے والا اُس کا ایک ساتھی کانوں میں منمنایا۔

"جانتے ہو وہ گاڑی والا کون ہے ــــ؟"

بہت زور سے چونکا وہ۔

اُس نے اپنی زبان سے تو ایسا کچھ نہیں نکالا تھا، ابھی بھی وہ خاموش ہی رہا۔

"یہ سب چکر چھوڑ دے بیٹا، وہ بہت بڑا سیٹھ ہے، بہت امیر آدمی، اگر اسے بھنک بھی لگ گئی نا تو ہم سب پستو کی طرح مسل دیے جائیں گے ....."

وہ پھر خاموش رہا۔

"..... اور پھر اس کے لئے کیا سوچنا، ایک ڈھونڈو گے، ہزار ملے گی، جیب میں دام ہونا چاہئے دام ــــ اور پھر تو تو بہت سندر بھی ہے، تجھے کیا کمی ....."

فیروزہ کو ہزاروں میں شامل کر دینا اُسے بالکل اچھا نہیں لگا، اپنے جذبے کو دبا کر وہ آہستہ سے بولا۔

"سنتے ہیں، بڑے بڑے ہوٹلوں میں جو حوریں رہتی ہیں وہ صرف پیسے والوں ہی کو ملتی ہیں، پھر یہ سیٹھ ....."

ساتھی تمسخر سے ہنسا۔

صرف ہوٹل کیوں ــــ ان کے لئے تو بڑے بڑے خوبصورت منگلے بھی ہوتے ہیں،

www.taemeernews.com

پھر دفتروں میں ..... ارے سیٹھ تولا رام چاہے نا تو اُس کے ایک تالی بجانے پر ہزاروں لڑکیاں اُس کے سامنے آکر ناچ اُٹھیں ....."

"تو .....؟"

"تو کیا، دل لگی دیوار سے تو پری کیا چیز، ہوگی کچھ ایسی بات اس سالی فیروزہ میں، میری مانو تو خوب محنت کر کے خوب پیسے کماؤ، جیب میں پیسے آجائیں گے تو بہت سی فیروزائیں خرید لوگے۔"

بات کچھ لگتی سی تھی۔

فیروزہ میں کچھ ایسی بات ضرور ہے .....

اُس نے اپنے دل کو ٹٹولا، واقعی یہ بات کتنی سچ ہے۔ لڑکیاں تو بے شمار تھیں اور وہ اتنے پیسے تو کما ہی لیتا کہ مہینہ میں دو ایک بار ایسی ہی کوئی لڑکی اس کی دسترس میں رہتی لیکن اسے تو صرف فیروزہ چاہیے تھی۔ فیروزہ .....

گداز جسم، بھرا بھرا متناسب قد و قامت، ناک نقشہ عام لڑکیوں جیسا لیکن آنکھیں...

اُس کی آنکھیں ہی تو تھیں جو ساری دنیا پر حکومت کر رہی تھیں۔

گہری، بے پناہ معنی کی تہوں میں ڈوبی ہوئی، شریر ..... بولتی ہوئی ..... پکارتی ہوئی۔ ..... چہکارتی ہوئی آنکھیں .....

لیکن اس کا معاملہ صرف جسم تک نہیں رہا تھا بلکہ وہاں تک پہنچ گیا تھا جہاں سے واپس آنا مشکل نہیں ناممکن ہوتا ہے۔ اس کے اندر فیروزہ بہت دور تک سرایت کر چکی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر، دل و دماغ اور آنکھوں سے ایسی حرکات سرزد ہو جاتیں جنہیں سوائے فیروزہ کے دوسرا نام دینا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کے پیر جب بھی اُٹھتے تو فیروزہ کی جانب، ہاتھ سے جو عمل ہوتا وہ فیروزہ کے لئے اور دل و دماغ تو فیروزہ کے علاوہ کوئی اور شے کے بارے میں سوچنے کو تیار ہی نہیں تھا۔ اُسے تو یاد بھی نہیں تھا کہ گرمی کی سنسان دوپہروں اور سردیوں کی خاموش راتوں میں اس نے کتنی بار فیروزہ کی سیڑھیوں کے چکر لگائے تھے اور ٹکٹکی باندھے بالاخانے کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کتنی صدیاں بتائی تھیں اور دل و دماغ .....

دل و دماغ تو اس کے قابو میں رہا ہی نہیں تھا۔

www.taemeernews.com

پھر بھی وہ فیروزہ کے بارے میں جانتا کیا تھا ـــــ ؟

بس یہی کہ وہ اُسے اچھی لگتی۔ جوان اور خوبصورت لڑکیاں تو روز ہی اُس کی نگاہوں سے گزرتیں لیکن اُسے تو بس فیروزہ .....

اگرچہ فیروزہ سے وہ کبھی ہم کلام نہیں ہوا تھا' اس کا موقع اسے فیروزہ نے دیا تھا۔ خود اسے حاصل ہوا تھا۔ معاملہ بس نظروں کا تھا' صرف اُس کی اپنی نظروں کا۔ اُس نے اپنے طور پر فیروزہ کی نگاہوں کے رمز و نکات کو وہ معنی پہنا رکھے تھے جو اُس کی سمجھ میں آسانی سے آتے۔ جی تو اس کا بہت چاہتا تھا کہ فیروزہ کے پاس جا کر اپنا حال دِل سُنائے۔ فیروزہ کی سیڑھیاں سڑک پر کھُلتی تھیں اور وہاں آنے جانے پر کوئی روک بھی نہیں تھی' لوگوں نے خود ہی سیٹھ تولا رام کی ملکیت سمجھ کر اس طرف جانا چھوڑ دیا تھا۔

سیٹھ تولا رام .....

اس کی نفرت کا واحد مرکز .....

بڈھا' بدشکل' بدہیئت ..... اُس کے غلیظ دانتوں تک سے ہوس ابلتی ہوئی محسوس ہوتی' اُوپر والے نے اس کے اندر ٹھونس ٹھونس کر ہر چیز بھر دی لیکن وہ تھا دراصل نالی ہی کا کیڑا .....

کس قدر گھٹیا انداز میں ستار پان والے کی دوکان پر کھڑا ہو کر گندے اشارے کرتا ہے۔ سڑک چھاپ مجنوں .....

فیروزہ کو جیسے اغوا کر کے یوں لے جاتا ہے کہ .....

کارٹون ہے پورا ..... کارٹون .....

اوپر والے نے چاروں طرف اپنا چٹ پٹا رنگ برنگا اخبار پھیلا رکھا ہے نا' اسی کا کارٹون .....

ویسے اس کا وجود تو خود ایک مذاق تھا۔

لاوارث' غریب' لاچار گھر میں ایک خوبصورت بچہ ..... سُرخ و سفید' نہایت تیکھا ناک نقشہ ..... کیچڑ میں کنول' گدڑی میں لعل ..... کسی کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ ایک غریب

www.taemeernews.com

بے سہارا عورت اتنے خوبصورت بچے کو جنم دے سکتی ہے .....؟

مشتبہ نگاہیں اس کی ماں پر اُٹھی تھیں لیکن قبل اس کے کہ اس کے ماں باپ ان نگاہوں کا مفہوم سمجھ سکتے، وہ اکیلا ہی تمام تر نگاہوں کا مرکز بن گیا تھا۔

بدحال اور لاپروا رشتہ دار اور پھول سا ایک بچہ.....

ساری پنکھڑیاں کانٹوں کی زد میں .....

تعلیم و تربیت .....؟ جو روکھی سوکھی مل جاتی، وہی بہت اور اسی سے زندگی کی گاڑی رینگ رہی تھی۔ خاردار راستے، چاروں طرف سے چبھتے ہوئے کانٹے، تیز و تند آندھی، آگ برسانے والے شب و روز، لق و دق صحرا اور اس میں کھلا ہوا ایسا پھول کہ جو دیکھتا.....

"یار، تو تو اس قدر حسین ہے کہ لگتا ہے کہ غلطی سے مردوں میں پیدا ہوگیا، شاید کسی فرشتے نے....."

"تجھے ..... تجھے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ..... کیا گال ہیں تیرے اور ہونٹ...."

"پاس آکے بیٹھ ذرا، تیرے حسن کی کچھ بھیک ہمیں بھی مل جائے ....."

باتیں کچھ اُس کی سمجھ میں آتیں، کچھ سر کے اوپر سے گزر جاتیں۔ اس کا رنگ گورا تھا اور بدن سڈول۔ اس کے اندر ایک مرد کھل رہا تھا جس نے ابھی دنیا نہیں دیکھی تھی لیکن اس کے اندر اُسے فتح کرنے کا حوصلہ تھا۔ اُس کے بازوؤں کی مچھلیاں ساری دنیا کے ساحل پر مچلنے کو بیتاب تھیں۔ اُس کے اندر بجلی کی جو لہریں دوڑ رہی تھیں، وہ دوسروں سے اپنا وجود منوانے اور محسوس کرانے کی طاقت رکھتی تھیں۔ لیکن جب وہ اپنے بارے میں دوسری باتیں سُنتا تو اُسے اپنے آپ پر ایک شبہ سا ہونے لگتا۔

جھینپ ..... غصہ .....

اُس کے اندر کوئی چیز بُری طرح اُبلنے لگتی، کان سرخ ہو جاتے، ایک آنکھ بڑی، ایک آنکھ چھوٹی ہو جاتی، چھوٹی آنکھ سے ساری چیزیں بڑی بڑی دکھائی دینے لگتیں ..... ایسی حالت میں اُسے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پانا پڑتا، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ساری دنیا اُس کے قدموں میں ربر کی گیند بن کر آگرتی اور .....

بس ایک ہی بات سے وہ اپنے آپ کو سنبھالیتا۔

www.taemeernews.com

جس دم وہ فیروزہ کو سیٹھ تولارام کی طرح سب کی آنکھوں کے سامنے، اُٹھائے جائے گا بس اُسی دم یہ سب لوگ.....

"جانی تیرے رنگ روپ اگر میرے کو مل جاتے، تو میں دکھا دیتا دنیا کو....."

اس کے ساتھ طبق کوٹنے والا راجو اس سے بولا۔

"کیا کر لیتا تو.....؟"

اُس نے لاپرواہی سے پوچھا۔ راجو اُس کا دوست تھا اور اُس کے جانی کہنے کا وہ بُرا نہیں مانتا تھا۔

"کیا کر لیتا.....؟ تو تو بے وقوف ہے۔ یہ جو سنیما کے پردے پر چکنے چکنے سندر چہرے نظر آتے ہیں نا، وہ لوگ ایک ایک فلم میں کام کرنے کا کیا لیتے ہیں ——؟"

"مجھے کیا پتہ ——؟"

اُس کی لاپرواہی برقرار رہی۔ یوں بھی اس نے ابھی تک طبق کوٹنے کا اپنا کوٹہ پورا نہیں کیا تھا۔

"پانچ لاکھ..... دس لاکھ..... پندرہ....."

راجو نے اپنی بے پناہ معلومات کا اظہار کیا۔

"اور....."

طبق کوٹنے جیسی بوریت کو باتوں میں حل کرنے کی کوشش.....

"کچھ لوگ اشتہار بھی دیتے ہیں۔ کپڑوں کا، صابن، پاؤڈر، اور نجانے کس کس چیز کا..."

راجو کی معلومات واقعی قابلِ رشک تھیں۔

"یہ لوگ بھی پیسے لیتے ہوں گے.....؟"

ایک چھوٹی سی گیند کو اُچھال اُچھال کر بڑی گیند بنانے کی کوشش.....

"ایک دو پیسہ..... ارے لاکھوں لاکھ....."

راجو کو اس کی لاعلمی پر بڑا غصہ آیا، رنگ روپ ہیرو جیسا، کام مزدوری اور جانکاری..... جیسے ابھی ماں کے پیٹ میں سے تو.....

www.taemeernews.com

"فیروزہ فلم میں چلی جائے یا صابن کا اشتہار دینے لگے تو اسے کتنے پیسے ملیں گے۔؟"
اُس نے راجو کے بہتے دریا جیسے علم میں ہاتھ ڈالا۔ من ہی من میں اس نے بہت پہلے اندازہ لگا لیا تھا کہ سیٹھ تولا رام کی جیب میں فیروزہ کی کیا قیمت ہے۔
"کون فیروزہ .....؟ وہ .....؟"
راجو کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ اُسے گالی کی طرح چُبھا، وہ تلملایا، ساز و سامان پھینک کر اس نے راجو کی گردن پکڑ لی اور ایک زوردار جھٹکا دینے ہی والا تھا کہ مالک آپہنچا۔ اس نے آہنی ارادوں اور مضبوطی سے دونوں کو کھینچ کر الگ کیا، اُس نے اپنے ہونے والے نقصان کو فوراً بھانپ لیا تھا۔ اس پر تو جیسے ایک جنون طاری تھا۔ متعدد ہاتھوں کے جنگلوں میں بندھ کر بھی وہ رسی تڑانے کی پوری کوشش کر رہا تھا اور راجو .....
راجو ہکا بکا .....
اس نے کون سی ایسی بات کہہ دی تھی۔ فیروزہ کو تو بہت لوگ بہت کچھ کہتے ہیں، اُس نے تو کچھ کہا بھی نہیں۔
مالک نے خشمگیں نگاہوں سے راجو کی طرف دیکھا۔
اس کے پاس تھا ہی کیا کچھ کہنے کو۔
مالک نے سوالیہ نگاہیں اس پر ڈالیں۔
وہ خاموش رہا۔
مالک کے پاس بھی خاموش رہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ دونوں اچھے طبق کوٹنے والے تھے اور محنتی مزدور آج کل کہاں ملتے ہیں۔
لیکن اس کے بعد تمام لوگ اس کے بارے میں جان بھی گئے اور محتاط بھی ہو گئے۔
برف کی ایک پرت جمی تو کچھ ہمدردوں نے اُسے سمجھایا۔
"یار، تجھے دل لگانے کو یہی ایک فیروزہ ملی تھی .....؟"
"تو پھر ——— ؟"
کاٹ کھانے والی کوئی بات تو نہیں تھی لیکن 'پھر' کا جواب بھی کسی کے پاس نہیں تھا۔

www.taemeernews.com

سیٹھ تولارام اس کی آنکھوں کے سامنے فیروزہ کو اُٹھا کے لے جاتا تو وہ پنجرے میں بند پرندے کی طرح پھڑپھڑاتا رہتا اور جب پھڑپھڑاہٹ کم ہوتی تو اُس کی نگاہیں اپنے آپ میں کسی کمی کی تلاش میں جُٹ جاتیں۔ وہ کمی، جس کے سبب سیٹھ تولارام کو اس پر ہر حال میں سبقت حاصل تھی۔ اتنی بات تو وہ جانتا ہی تھا کہ سیٹھ کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں، پھر بھی تلاش بسیار کے بعد ہر بار اُسے کوئی نہ کوئی کمی نظر آ ہی جاتی اور اس وقت اسے محسوس ہوتا کہ اس کو اگر اس نے فوراً دُور نہیں کیا تو سیٹھ تولارام اُسے ہمیشہ مات دیتا رہے گا۔ وہ اس کمی کو دُور کرنے میں لگ جاتا۔ اُسے سیٹھ تولارام تو بننا نہیں تھا، اس کی طرح تھل تھل، موٹا، بھدا، غلیظ، ندیدہ ..... پھر بھی اُس کی جیب میں کھنک تو ہونی ہی چاہیے اور بھلے وہ ۸۴۰ نمبر کی مرسیڈیز میں چڑھ کر نہ آئے، پھر بھی سڑک پر دوڑنے والے پہیے تو اس کے پاس ہونے ہی چاہئیں .....

کمی بیشی کا معاملہ اُنیس بیس کا ہو سکتا ہے، ایک اور سو کا کیسے .....؟

پھر بھی ان مشقتوں سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ اُس کی محنت کے پیسوں سے اُس کے پاس دو ایک اچھے جوڑے آ گئے۔ خوبصورت مضبوط جوتے، موزے، شیو کے سامان، خوشبودار لوشن، سستے سہی لیکن دُور تک خوشبو بکھیرنے والے اسپرے، خوشبودار صابن، آئینے، کنگھیاں، رومال ..... بے شمار چیزیں ..... وہ ان سب کو اپنے زنگ خوردہ بکسے میں پُرانے اخبار بچھا کر بند رکھتا۔ انہیں استعمال کرنے کی نوبت اس لئے نہیں آئی تھی کہ اس کے لئے اُس نے جو ایک مبہم سی تاریخ اپنے طور پر مقرر کی تھی وہ اس کے قابو میں نہیں تھی۔ یہ تاریخ اُس کے لئے ایک ایسی مضبوط اور اٹل منزل تھی جس کی طرف وہ کشاں کشاں چلا جا رہا تھا۔

فیروزہ سے اس کا کوئی دیومالائی تعلق تو تھا نہیں، وہ اس قسم کے تعلق کے رموز و نکات سے واقف ہی کہاں تھا۔ اس کو فیروزہ بس اچھی لگتی، اس کے بال، اس کی ہنسی، اس کی اداسی، اس کا پُرشباب جسم، اس کا متناسب سرو قد ..... اُسے دیوانہ بنا دیتے، اُس کی آنکھوں سے گہری معنوی دنیائیں نشر ہوتیں، اُنہیں سمجھنے کی کوشش اس کی زندگی کا مقصد تھا، وہ روز اس کے دیدار سے لطف اندوز ہوتا۔ جس کمرے میں وہ رہتی، اُس کی کھڑکی ٹھیک اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ وہ دوکان پر اس انداز سے بیٹھتا کہ فیروزہ کی کھڑکی اور اُس کی آنکھوں کا رشتہ مضبوط ہی ہوتا

www.taemeernews.com

جاتا اور شاید اسی کا کرشمہ تھا کہ وہ طبق کوٹنے والے مزدوروں میں ممتاز تھا۔ اُسے ایک غیر معمولی توانائی جو ملتی تھی۔

اُسے فیروزہ کی مصروفیت اور معمولات کی ذرا ذرا خبر تھی۔ کس وقت بستر سے اُٹھتی ہے، سب سے پہلے کیا کرتی ہے، پھر کیا..... کون سا لباس کس وقت زیب تن کرتی ہے اور کس وقت نہیں۔ کس وقت اُس پر کون سا موڈ طاری ہوتا ہے، کس وقت ہنستی ہے، کس چیز سے خوش ہوتی ہے اور کس چیز سے مغموم، کیا کھاتی پیتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کس وقت اُس کھڑکی پر آتی ہے جس کے سامنے وہ ہوتا ہے اور پھر کس وقت وہاں سے ہٹتی ہے..... فیروزہ کے سارے پروگرام اسے بہت پسند تھے صرف اس کا ایک حصہ..... وہ اس پر بہت بھاری تھا۔

روز جینا اور روز مرنا.....

اُس کی زندگی کا ایک حصہ مرنے میں گزرتا اور جو حصہ بچ جاتا، بس وہی اس کی زندگی تھی۔

لیکن یہ زندگی بھی کیا.....؟

فیروزہ اُس کے خیال میں ایک معصوم پاکیزہ چڑیا تھی جو بہت مجبور ہو کے باز کے چنگل میں جا پھنسی تھی اور وہ خود..... وہ خود ایک لکشمن ریکھا میں قید ـــــ یہ قید خانہ خود اس کا تعمیر کردہ تھا، اُس کی جائے پناہ، جہاں اس نے اس یقین کا طغرا لگا رکھا تھا کہ جس پل بھی اس نے یہ ریکھا پار کی، وہ جھلس جائے گا، پھر کچھ بھی باقی نہیں بچے گا، نہ وہ خود، نہ فیروزہ اور نہ اس کی اپنی دنیا۔

فیروزہ کے خیالات میں گم رہنے اور طبق کوٹنے کے بعد اس کے پاس جو وقت بچتا وہ اسے ستار پان والے کی دوکان کے طواف میں گزار دیتا کیونکہ ٹھیک اُس کے اوپر..... ٹھیک اس کے سامنے.....

سیٹھ تولا رام کی طرح خوشبودار گلوریاں بندھوانا، گجرے والے سے تازہ پھولوں کے گجرے خریدنا اور یہ تمنا کرنا کہ فیروزہ سے اس کی آنکھوں آنکھوں میں باتیں ہوں.....

فیروزہ سامنے آتی، اُس سے آنکھیں چار ہوتیں، پھر وہ اپنی خاموش آنکھوں کو لے کر اندر چلی جاتی، وہ کھڑا رہ جاتا، وہ آتی، پھر چلی جاتی۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا یہاں تک کہ ۸۴۰ دبے پاؤں

www.taemeernews.com

وہاں چلی آتی ۔

پھر تولارام کا ستّار پان والے کی دوکان پر کھڑے ہو کر عجیب حرکتیں کرنا .....

فیروزہ کا اپنے بالاخانہ سے کھٹ کھٹ نیچے اُترنا .....

گاڑی کا اسی سُبک خرامی سے واپس چلے جانا .....

۸۴۰ کا فیروزہ کو لے کر پھر آنا .....

تھکی ہاری فیروزہ کا اس کی نظروں کے سامنے سیڑھیاں چڑھنا .....

یہ وقت اس کا کیسے گزرتا تھا .....

اگر خوش قسمتی سے پان کی گلوریاں وہ منہ میں ڈال چکا ہوتا تو وہ اس کے حلق میں اٹک جاتیں، گجرے کے پھول بکھر جاتے اور وہ خود ٹوٹ پھوٹ کر اپنے بستر پر آ کے گر جاتا .....

انگاروں کے بستر پر .....

وہ سوچتا رہتا ۔

اُس کی بدنصیبی ..... محرومی ..... کم مائیگی .....

سیٹھ تولارام امیر آدمی تھا ..... بہت امیر ..... اِس کے سوا اور کچھ نہیں اور وہ بہت غریب ۔ تولارام فیروزہ کو جو کچھ دیتا تھا، وہ تو اس کے بس کی چیز نہیں تھی، البتہ اس کے پاس فیروزہ کو دینے کے لئے جو کچھ تھا .....

اس کا ایک ساتھی کبھی کبھی اس کے کان میں منمناتا .....

"جو عورت سیٹھ تولارام کی عادی ہو چکی ہو، وہ تجھے کیا ....."

وہ ہمیشہ اسے نظر انداز کر دیا کرتا ۔ لیکن اس کے ذہن میں یہ بات گشت لگاتی رہتی ۔

کیا واقعی اس کے پاس فیروزہ کے لئے کچھ نہیں تھا .....؟

جوان اور خوبصورت فیروزہ سیٹھ تولارام کی بخشش سے واقعی مطمئن تھی ؟

یہ تو تولارام کا پیسہ تھا جو ابھی سر چڑھ کر بول رہا تھا، پیسے والوں کی ترنگ .....

جب تک اس کی خواہش ہوگی، فیروزہ پر جمار ہے گا، کوئی دوسری پسند آجائے گی تو کہاں کی فیروزہ اور کہاں کا .....

www.taemeernews.com

لیکن یہ بات فیروزہ بھی سمجھ لے تب نا ـــــــ اس کے پاس سیٹھ کا پیسہ تھا اور اس کے پاس جوانی، محنت اور دل میں فیروزہ کی لگن ـــ زندگی پھر کیسی ہو جائے .....

نہ وہ زندگی بھر طبق کو ٹٹارہ جائے .....

نہ فیروزہ روز .....

پھر، یہ سب باتیں صرف اس کے نہیں، فیروزہ کے سوچنے کی بھی تھیں، لیکن وہ تو اس سے مخاطب بھی نہیں ہوتی۔ اُچٹتی ہوئی نگاہیں یوں ڈالتی ہے جیسے وہ بالکل بچہ ہو، وہ بھلے ہی اپنی بساط بھر ان میں پوشیدہ معنی کی تلاش کرتا رہے۔

کبھی فیروزہ اپنی زبان سے بھی کچھ بولے ..... کچھ صاف صاف اشارے کرے .....

کبھی اپنے پاس بھی بلائے .....

اُس نے اپنے زنگ خوردہ بکس میں جو خوبصورت چیزیں بند کر رکھی تھیں، ان کے استعمال کی تاریخ اس کے ہاتھوں کی لکیروں میں دور دور تک دکھائی نہیں دیتی تھی ..... فیروزہ کی آنکھوں میں تو بالکل ہی نہیں۔

اُسے محسوس ہوتا کہ اس کی ساری مشقتیں بیکار تو نہیں چلی جائیں گی۔ اصل میں اسے پتہ بھی نہیں تھا کہ جو کچھ اس نے سوچ رکھا ہے، یا کر رکھا ہے، وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ ان معاملات میں اُس نے کسی سے مشورہ نہیں لیا تھا، جو کچھ کیا، بس اپنے آپ ہی، اور ان معاملات میں اسے تجربہ ہی کیا تھا ـــــــ ؟

اس دن اچانک ـــــــ

بالکل اچانک ـــــــ

پتہ نہیں، اس کی قسمت یاوری کرے گی یا اور کوئی بات ـــــــ

طبق کو ٹٹے کو ٹٹے نگاہیں اوپر اُٹھیں تو اُس نے فیروزہ کو اپنی طرف دیکھتے پایا۔

اُس کا کلیجہ اُچھل کر حلق میں آگیا۔ یقین نہیں آیا .....

لیکن پوری کی پوری فیروزہ ثابت سالم کھڑی تھی اور اُس کی نگاہیں .....

وہ کچھ دیر یونہی انتظار کرتا رہا کہ شاید فیروزہ بے خیالی میں کھڑی ہو گئی ہو اور یونہی اُس کی

www.taemeernews.com

نگاہیں ....

نگاہیں چہار طرف گھوم کر ایک ہی مرکز پر ٹھہر گئیں تو اُسے اپنے اندر ایک غیر معمولی توانائی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ طبق کوٹنے میں اُس کا جی نہیں لگا۔ شاید وہ تاریخ، جس کا ہمیشہ سے اُسے انتظار تھا، اس کی دسترس میں آگئی۔

وہ فوراً کام چھوڑ کر اندر گیا، غسل کیا، شیو کے بعد خوشبودار لوشن ...... بکس سے نئے کپڑے نکال کر پہنے، موزے اور جوتے پیروں میں .... بالوں میں تیل، پھر کریم لگا کر سلیقے سے اُنہیں سنوارا، رومال کو سینٹ میں بھگو کر پینٹ کی جیب میں رکھا، پھر اپنے پورے جسم پر اسپرے .... بن سنور کر آئینہ پر اُس نے ایک نگاہ ڈالی۔

ارے ....؟!!

کیا یہ وہی تھا ______؟

آئینے کے سامنے ایک نہایت خوبصورت، وجیہہ، نازک اندام، خوشبودار نوجوان کھڑا تھا۔ بالکل وہی، جس کے بارے میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ اُس کے جیسا حُسن اور نوجوانی جسے مل جائے، وہ قیامت برپا کردے۔

شاید یہ وہی قیامت برپا کرنے والا نوجوان تھا۔

اپنے چج کرتے جوتے کے ساتھ وہ ستار کی دوکان پر پہنچا اور اس سے سب سے مہنگی اور نفیس گلوریوں کی فرمائش کی، اُنہیں سلیقے سے منہ میں دبایا، گجرے والے سے دو گجرے خریدے، ایک کلائی میں لپیٹ لیا، دوسرا ہاتھوں میں رہا۔

اب اس کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا، اُسے جو کچھ کرنا تھا، کر ڈالا تھا، جو کچھ ہونا تھا، وہ فیروزہ کی طرف سے .... اور فیروزہ کو کس لمحے کا انتظار تھا، وہی جانتی تھی۔

اچانک جیسے کھلے میدان میں زبردست کالی آندھی آگئی، وہ چاروں طرف سے گھر گیا۔ پیچھے کا راستہ بند ...... آگے کا راستہ اُسے سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

بارے آندھی تھمی، کالے غبار ہٹے اور اس کی آنکھیں دیکھنے کے لائق ہوئیں تو سیٹھ تولارام ۸۴۰ میں دھنسا عجیب پراسرار نظروں سے اُسے گھور رہا تھا، اس کے پورے جسم میں برچھیاں

www.taemeernews.com

سی چُبھنے لگیں۔

اچانک اس سے نظریں جو چار ہوئیں تو تولارام اُسے وہی اشارے کرتا نظر آیا جو .....
اُس کے اندر کوئی چیز بُری طرح اُبلنے لگی، کان جلنے لگے، ایک آنکھ بڑی، ایک آنکھ چھوٹی ہوگئی، چھوٹی آنکھ سے ساری چیزیں بڑی .....
فیروزہ منہ پر دوپٹہ رکھے بُری طرح ہنس رہی تھی۔
..... ربر کی گیند اس سے ٹکرا کر دور جا گری۔

---

www.taemeernews.com

فرار

وہ کوئی عجوبۂ روزگار نہیں تھا۔

ایک بالکل عام سا آدمی ..... جب کسی آدمی کی تعریف کی جاتی ہے تو اسے طرح طرح کے کپڑے پہنا دیے جاتے ہیں اور قسم قسم کے میک اَپ سے اُس کا حلیہ یوں بگاڑ دیا جاتا ہے کہ وہ پہچان ہی میں نہیں آتا۔ زورِ تقریر اور زورِ قلم سے ایسا کر کے خوش ہونے والی کوئی بات نہیں، کیوں کہ اصل آدمی تو کہیں چھُپ جاتا ہے۔

جس آدمی کے بارے میں بات ہو رہی ہے وہ لباس کی خوش رنگیوں اور میک اَپ کے حشر سامانیوں میں ہرگز گُم نہیں ہوا، وہ جیسا بھی ہے، ہمارے آپ کے سامنے ہے، تھوڑی سی کوشش کی جائے تو اسے کہیں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ کسی بھی محلّے کے ایک بے حد معمولی اور خستہ حال مکان میں، کسی بھی سرکاری، غیر سرکاری دفتر کے کونے میں اپنی فائل پر سر جُھکائے ہوئے۔ کسی بھی سڑک یا گلی میں سب کے ساتھ چلتے ہوئے، پھر بھی سب سے الگ تھلگ، زمانے کی تیز رفتاری میں سب سے پچھلی صف میں دوڑنے کی کوششوں میں مصروف ..... کسی بھی تیز و طرار اور دبنگ آدمی سے دبتا ہوا۔ کہیں بھی آگے بڑھ کر مینا اُٹھانے کی کوششوں میں ناکام، کسی بھی نقار خانے میں طوطی کی آواز، کسی بھی عبادت گاہ میں صف کی آخری جگہ ملنے پر مطمئن .....

www.taemeernews.com

یوں مثالیں تو بہت ہیں لیکن جب آپ دو چار مثالوں میں اُسے نہیں پہچان سکے تو اتنی ساری تقریروں اور تحریروں کے بعد بھی اُسے نہیں پہچان سکیں گے، ویسے وہ ہمیشہ آپ کے سامنے ہی رہتا ہے بس سامنے کے دو چار آدمیوں کو ہٹا دیجئے، وہ نظر آجائے گا، کسی بھی محفل میں، کسی بھی نکڑ پر.....

تو یوں ہوا کہ میری نظروں کے سامنے ایسا ہی ایک آدمی غیر معمولی تیزی کے ساتھ نکلا اور بھیڑ میں گم ہو گیا، ایک ہی پل میں مجھے ایسا لگا کہ وہ میری آپ کی طرح ایک عام آدمی .....

لیکن وہ سب کی نظروں سے بچنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے — ؟

کوئی خاص بات ہے کیا ..... ؟

تجسس نے مجھے آگھیرا اور میں سب کام چھوڑ چھاڑ کے بھیڑ میں گھس گیا اور اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ بھیڑ میں چلنا کتنا مشکل ہے اور دوڑنا تو بالکل ناممکن۔ اصل میں بھیڑ میں کوئی چھوٹا بڑا تو ہوتا نہیں، سب ایک جیسے ہوتے ہیں، ایسے میں کسی ایک کا بازی مار لے جانا ممکن ہی نہیں۔ میں نے کوشش تو بہت کی کہ کسی طرح اس کے قریب پہنچ جاؤں لیکن ناکام رہا البتہ اس پر نظر رکھنے کا پورا جتن کیا، وہ بس دو چار دس آدمیوں کے آگے چلا جا رہا تھا اور اس کے جسم کا کوئی نہ کوئی حصّہ ہر وقت میری نگاہوں کی گرفت میں تھا، جیسے ہی بھیڑ ختم ہوئی، وہ ایک شاپنگ کمپلکس میں گھس گیا۔

'یہ پھٹیچر وہاں کیا کرنے گیا ہے .....؟'

میں بُدبُدایا، لیکن پیچھا تو کرنا ہی تھا۔

وہ شاپنگ کمپلکس ایک بھول بھلیاں قسم کی چیز تھی، درجنوں پیچ دار سیڑھیاں، بے شمار دالان اور منزل اور سیکڑوں قد آدم مجسمے ..... سیڑھیاں چڑھتے اُترتے، منزلوں اور دالانوں کو پھلانگتے اور مجسموں کو تاکتے تاکتے میں بے حال ہو گیا۔ اُس پر کہیں نگاہیں تو نہیں پڑیں، بس اس کا ایک سایہ سا لہراتا ہوا مجھے اپنے آس پاس محسوس ہوتا رہا۔ جس نے سب سے بے خبر مجھے اپنی دھن میں مشغول رکھا۔ مجھے اس کی بھی پروا نہیں تھی کہ کاؤنٹر کے اِس پار یا اُس پار کھڑے لوگ مجھے کن نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں، اسے بھی دیکھ رہے ہوں گے لیکن وہ تو سب کی پروا کئے بغیر آخر بھاگ ہی رہا ہے۔

www.taemeernews.com

معاً ایک خیال میرے ذہن میں آیا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ اُسے مجھ پر شک ہوگیا ہو اور وہ مجھ ہی سے بھاگ رہا ہو .....

لیکن ..... اُسے کس طرح خبر ہوسکتی ہے بھلا .....؟

اُس کا میرا کبھی آمنا سامنا تو ہوا نہیں، وہ مجھے پہچانتا نہیں۔ اُس کے اور میرے درمیان جو فاصلہ قائم ہوا تھا وہ ابھی تک برقرار ہے تو پھر .....؟

یوں تو نہیں کہ وہ کسی اور سے بھاگ رہا ہو اور میں انجانے میں ایک درمیانی آدمی کے طور پر پھنس گیا ہوں .....

یعنی میں بھی کسی کی نظروں میں ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ میرا بھی پیچھا ہو رہا ہے .....

اس احساس نے میرے اندر کچھ عجیب کیفیتیں پیدا کردیں۔

میں بے حد چوکنا ہوگیا، سر سے پیر تک خوف کی ایک تیز لہر میرے اندر دوڑ گئی، کسی نے اگر اس کو اپنا نشانہ بنایا تو میں اُس کی زد میں نہ آجاؤں .....؟

یہ اچھا ہی تھا کہ اب تک اُس سے میرا ایک باوقار فاصلہ بنا ہوا تھا، شعوری طور پر میں نے اس سے دور رہنے کی کوشش کی تھی لیکن لاشعوری طور پر میں خود اُس سے دور رہ گیا تھا اور اب یہی چیز اس وقت میری تشفی کا باعث تھی۔

شاپنگ کمپلکس کا چکر لگاتے لگاتے میں ہانپنے لگا، عجیب آدمی ہے، پتہ نہیں کہاں غائب ہوگیا۔

باہر آکر میں رومال سے اپنا پسینہ پونچھنے لگا اور شاید میں اس فضول کام سے باز ہی آجاتا کہ اچانک وہ مجھے نظر آگیا۔

سب کی نظروں سے بچتا بچاتا محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے چوکنے قدم اٹھاتا ہوا وہ تیزی سے بھاگا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پوٹلی جیسی کوئی چیز چھپا رکھی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس چیز کی حفاظت میں اُس نے اپنے سارے جسم کو مامور کر رکھا ہے۔

"اُوہ ..... اس کا مطلب ہے ..... اس کے پاس ضرور کوئی قیمتی ..... بہت قیمتی چیز ہے ..."

www.taemeernews.com

تب تو اُس کا پیچھا کرنا اور بھی ضروری ہے۔ پتہ نہیں اُس کے پاس کون سی ایسی چیز ہے جسے وہ دنیا کی نظروں سے چھپانا چاہتا ہے۔

میں اپنی تھکاوٹ اور پریشانی کو یکسر بھُلا کر پھر اس کے پیچھے لگ گیا' اس دفعہ وہ صاف میری نظروں کے سامنے تھا' بھیڑ اور بازار اب درمیانی رکاوٹ نہیں رہے تھے' یعنی میں نے جب اتنی محنت کی تھی تو اس کا کچھ سیر حاصل نتیجہ سامنے دکھائی دے رہا تھا۔

لیکن وہ بھی ایک چھلاوہ ہی تھا یا شاید اُسے میرے مصمم ارادے کا علم ہوگیا تھا' اُس نے کوشش بہت کی کہ پھر کسی چیز کا سہارا لے کر میری نظروں سے چھپ جائے' پھر اس دفعہ میں نے بھی کچھ زیادہ ہی ہوشیاری برتی اور راہ چلتے مسافروں کے لیے بے شمار سَروں' کاندھوں' مونڈھوں اور اُن کے وجود کے سارے اعضا کو کمال ہوشیاری سے ہٹاتے ہوئے اپنے مقصد پر گامزن رہا' وہ مجھے دیر تک ٹیڑھے میڑھے راستوں پر خوب جھکائیاں دیتا رہا اور آخر کار وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔

وہ ایک بہت بڑی عمارت میں گھس گیا۔

اُس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اچانک جو میری نگاہیں عمارت پر پڑیں تو پتہ چلا کہ وہ تو ایک عبادت گاہ ہے۔

'اچھا تو اب مذہب.....'

میرے منہ سے بے ساختہ نکلا اور میں بھی عبادت گاہ میں داخل ہوگیا' شکل وصورت چال ڈھال اور لباس وغیرہ سے میں ایسا نہیں تھا کہ مجھے وہاں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ کم سے کم اس سے تو یقینی بہتر..... وہ تو چال ڈھال سے عجیب لگتا تھا' اگرچہ واضح طور پر میں نے اُسکی شکل نہیں دیکھی تھی لیکن دور سے دیکھنے پر اُس کے بارے میں میں نے جو اندازہ لگایا تھا وہ بہت خوشگوار نہیں تھا' پھر وہ کچھ چھپائے ہوئے بھی تھا' ایسی صورت میں اگر خدا نے مجھے اپنا دربان مقرر کر رکھا ہوتا تو میں ہرگز اُسے خدا کے حضور میں جانے نہیں دیتا۔

اندر جا کر پتہ نہیں وہ کون سی عبادت میں مشغول ہوگیا۔ میرے لئے ایک مشکل یہ آپڑی کہ وہ جس عقیدے کے مطابق عبادت کر رہا تھا' میں اس کا پیروکار تک نہیں تھا۔ وہ جس طریقے سے اپنے خدا کے حضور میں موجود تھا' وہ طریقہ میرے لئے جائز نہیں تھا' اگر میں اس کی نقل کرنے بیٹھ

www.taemeernews.com

جاؤں تو پتہ نہیں کب اُس کی عبادت ختم ہو اور کب وہ وہاں سے بھاگ نکلے، مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ اس عبادت کا خاتمہ کیسے ہوگا ..... میں تو صرف نقل ہی کر رہا ہوتا نا ——

میرے لئے بہتر یہی تھا کہ میں چُپ چاپ باہر نکل کر اس کا انتظار کروں، عبادت گاہ میں لوگوں نے ابھی تک مجھے بغور نہیں دیکھا تھا اور قرینہ اغلب تھا کہ اگر کسی کی نگاہیں مجھ پر دیر تک ٹھہر گئیں تو شاید میں مشکوک قرار دیا جاؤں ..... اسی کی طرح .....

میں خاموشی سے باہر آکر کیاریوں میں لگے خوبصورت اور خوشنما پھولوں کو دیکھنے لگا۔ اُن میں بعض ایسے تھے کہ میری نگاہیں بھی اس سے پہلے ان پر نہیں پڑی تھیں، یقینی طور پر انہیں بہت جتن سے حاصل کیا گیا ہوگا، ایسے نایاب اور نادر نمونے عام طور پر دیکھنے کو نہیں ملتے۔ میں شاید ان کے حسن اور خوشبو میں کھو ہی جاتا کہ باہر جاتے ہوئے اُسے دیکھ کر جیسے میں خواب سے بیدار ہوگیا، اس دفعہ تو اس کا چہرہ بھی دیکھ لیا ..... کوئی خاص بات نہیں، شاید سو میں چالیس چہرے ایسے ہی ہوتے ہوں گے جن پر روز ہماری نگاہیں پڑتی ہیں۔

وہ کسی چیز کو چھپانے کی صاف کوشش کر رہا تھا، مجھے تعجب بھی ہوا، وہ کہاں کہاں سے گزرا، اس مشکوک حالت میں اُسے ہزاروں نے دیکھا ہوگا لیکن کسی نے بھی اسے نہیں ٹوکا .....؟ ایک میں ہی بے وقوف رہ گیا جو اپنی ساری مصروفیات، سارا کام کاج، ساری دلچسپیاں چھوڑ کر اس کے پیچھے لگ گیا .....؟

اس سے مجھے فائدہ کیا ہوگا .....؟

میری رفتار دھیمی پڑ گئی .....

اچانک مجھے خیال آیا کہ آخر میں کس پر بوکھلا رہا ہوں، مجھے اس کا پیچھا کرنے پر کسی نے مامور تو نہیں کیا۔ میری تو اس سلسلے میں کسی سے بات چیت بھی نہیں ہوئی۔ یہ تو میں خود ہوں جس نے مجھے ایسا کرنے پر اُکسایا۔ یعنی یہ ایک خاص ذاتی معاملہ ہے جس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ..... شاید کسی کے کانوں میں میری حرکتوں کی اطلاع پہنچے تو پتہ نہیں میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے۔

اور پھر کیا پتہ کہ کتنے لوگوں کے میں نے میری طرح اس کا پیچھا کرنے کو اکسایا ہوگا، کتنے لوگ اس کے پیچھے لگے بھی ہوں گے، آخر میرے آس پاس یا اس کے آس پاس چلنے پھرنے والوں کی

www.taemeernews.com

کمی تو ہے نہیں، میری طرح جو ہوگا، اس کا بھی یہ ذاتی معاملہ ہوگا، اب کوئی مجھ سے اپنے اندر کی بات تو کہے گا نہیں، میری طرح نہ جانے کتنے لوگ اُس کا راز جاننے کو بے چین ہوں گے۔ وہ کوئی سنسان جنگل یا ویران پہاڑ سے تو گزر نہیں رہا، بھری پُری بارونق دنیا اُس نے چُنی ہے اور اس طرح وہ سب کی نظروں سے چھُپنے کی گویا کوشش کر رہا ہے۔ کتنا بے وقوف ہے وہ .....

اس دفعہ اُس نے سیدھی راہ نہیں چنی، یعنی سیدھی ناک پر نہیں چل کے ٹیڑے میڑھے انداز میں چلنے کی کوشش کرتا رہا، ٹریفک کے کسی ضابطے کی پروا کئے بغیر وہ کبھی دائیں ہو جاتا کبھی بائیں۔ اس سے مجھے خاصی تکلیف ہوئی لیکن پھر میں نے طے کیا کہ بھلے ہی وہ اپنے آپ جلیبی بناتا رہے، میں ہرگز اُس کے نقش قدم پر نہیں چلوں گا۔ میں تو اس کا پیچھا کر رہا ہوں نا، اس طرح اپنے آپ کو تھکا کے وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور میں بڑے آرام سے سیدھا چل کر بھی اُس پر اچھی طرح نظر رکھ سکتا ہوں، تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ اس کے ٹیڑھے اور میرے سیدھے چلنے کے باوجود اس کے اور میرے درمیان جو فاصلہ تھا کم و بیش وہ برقرار رہا۔ میری خواہش بھی تھی کہ یہ فاصلہ برقرار رہے کیونکہ اسی طریقے سے میں اپنے آپ کو محفوظ محسوس کر سکتا تھا، آخر یوں سڑکوں اور بازاروں میں چلتے ہوئے تو میں اس کے راز کو پا نہیں سکتا، اُس کے لئے ہم دونوں کو تنہائی کی ضرورت ہوگی جو کسی سنسان جگہ پر ہی نصیب ہو سکتی تھی ——

اگر اُس کے پاس کوئی خطرناک چیز ہوئی تو ..... ؟

میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا اور میں نے اپنے پورے جسم میں ایک لہر سی محسوس کی۔

کہیں یہ خوف تو نہیں ..... ؟

اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

ہو سکتا ہے وہ کوئی غیر ملکی ایجنٹ ہو ..... ملک دشمن کارروائیوں میں ملوث کسی تنظیم کا کوئی فرد ..... یا ..... پھر ..... کروڑوں کے اس دیش میں کون کس بھیس میں چھپا ہوا ہے، کیا معلوم ..... ! اگر میری سوچ صحیح راستے پر چل پڑی ہے تو وہ یقیناً کسی ایسی جگہ کی تلاش میں ہے، جہاں آسانی کے ساتھ اپنے خطرناک ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔

www.taemeernews.com

ہوسکتا ہے وہ کوئی ایسی جگہ ڈھونڈ رہا ہو جہاں وہ اُس چیز کو رکھ سکے جسے وہ چھپائے پھر رہا ہے ..... خطرناک چیز کو .....

اِس کا مطلب ہے میں ایک بہت ہی خطرناک آدمی کے پیچھے بھاگ رہا ہوں۔

اِس کا مطلب ہے، میں اپنی موت .....

مشقت کی اس کیفیت میں بھی مجھے پسینہ آگیا۔ فوری طور پر میں فیصلہ نہیں کرسکا کہ اپنے ارادے سے باز آجاؤں یا ..... اِس سلسلے میں سوچنے یا غور کرنے کی فرصت کہاں، وہ تو مستقل بھاگا جارہا تھا۔ اگر ایک آدھ منٹ کے لئے وہ رُک جاتا تو شاید مجھے سوچ بچار کا کوئی موقع مل جاتا۔

لیکن اتنا قیمتی وقت جو میں نے ضائع کیا تھا، اُسے کس کھاتے میں ڈالتا ..... ؟

اتنے میں وہ شخص تیزی کے ساتھ ایک بہت بڑی عمارت میں گھس گیا۔ میرے قدم چلتے چلتے اچانک رُک گئے ..... عمارت پر میری نگاہ پڑ گئی تھی اور میں حیران رہ گیا تھا۔ اُس شخص کی دلیری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

وہ عمارت ایوان قانون ساز کی تھی .....!

اب تو جذبۂ وطنی کے تحت بھی میرا جانا ضروری ٹھہرا۔ ایوان قانون ساز کی حفاظت میری ایک اکیلی جان سے بہت بڑھ کر تھی۔ میں نے اپنی رفتار تیز کی اور اس پر کڑی نظریں رکھنے کو پوری طرح مستعد ہوگیا۔

میں پہلے کبھی ایوان قانون ساز میں داخل نہیں ہوا تھا، سن رکھا تھا کہ وہاں داخلے کے قانون سخت ہیں لیکن شاید اس کا اجلاس نہیں چل رہا تھا اس لئے سختی نہیں تھی لیکن ایوان قانون ساز، ایوان قانون ساز ہوتا ہے اور یہ شخص پتہ نہیں کس ارادے سے وہاں گیا ہے .....

وہ بھی ایک عجیب بارہ دری تھی، بے شمار گلیارے، لاتعداد کوریڈور، ان گنت دالان اور کمرے ..... میں تو بالکل چکرا کر رہ گیا۔ چونکہ میں ایک شخص کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس لئے ایک طرح سے وہ شخص وہاں میری رہنمائی کر رہا تھا۔ میں ایک گلیارے سے نکلا تو کسی دوسرے کوریڈور میں جا نکلتا، ایک دالان پھلانگتا تو اپنے آپ کو کسی دوسرے کمرے میں موجود پاتا۔ گویا میں آنکھیں بند

www.taemeernews.com

کرکے اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ اگر یہ مقصد میرے سامنے نہ ہوتا تو شاید میں اپنے آپ کو ان بھول بھلیوں میں گم کر دیتا۔

کافی دیر تھکنے اور تھکانے کے بعد وہ وہاں سے بھی باہر نکل آیا اور پھر بھری پُری سڑک تھی اور ہم .....

عجیب آدمی ہے ..... اس کا تو کوئی اُور چھور سمجھ میں نہیں آتا، کوئی مقصد، کوئی منزل بھی اس کی ہے یا نہیں ..... آخر وہ کون سی ایسی چیز لے کر بھاگ رہا ہے کہ اُسے دَم مارنے کی بھی فرصت نہیں۔

ہو سکتا ہے اُس کے پاس کوئی خطرناک چیز نہیں ہو، ورنہ اب تک وہ اُسے کہیں نہ کہیں ضرور پٹک دیتا، وہ تو ایسی جگہوں پر گھوم آیا کہ چاہتا تو دنیا کو تہ و بالا کر سکتا تھا پر اُس نے نہیں کیا، اس کا مطلب ہے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ..... وہ ہم کو، آپ کو، اپنے آپ کو، دنیا بھر کو دھوکہ دے رہا ہے .....

میری رفتار کچھ دھیمی ہو گئی .....

وہ کسی کو کیوں دھوکہ دے گا، اُس نے کسی سے یہ تو نہیں کہا کہ اس کے پاس کچھ ہے ..... وہ تو صرف میں تھا کہ اپنے آپ کو اس کے پیچھے یوں تھکا دیا اور میں اس کے لئے کسی کو جواب دہ بھی نہیں ہوں .....

رفتار دھیمی کرنے اور اتنا کچھ سوچنے سے بات تو کچھ بنی نہیں، ارادہ ملتوی کرنے کا مطلب صاف ہے کہ میں پھر صفر پر پہنچ جاؤں ..... پھر کس بات کا انتظار اور کہاں کا سفر اور کس سمت میں .....؟

نہیں ..... مجھے ہر حال میں اپنا دل چاہئے ..... خود اپنا .....

اب بھی کچھ بگڑا نہیں تھا، وہ مجھ سے کچھ دور ضرور نکل گیا تھا، اس کے اور میرے درمیان دو چار آدمی بھی آ گئے تھے، پھر بھی وہ میری نگاہوں میں تھا، اگر میں مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر اپنی چال کو خاص رفتار پر نہیں ڈال دیتا تو اُسے پکڑ بھی سکتا تھا لیکن نہیں ..... شاید بہتر یہی تھا کہ میں اُس کے پیچھے وہاں تک جاؤں جہاں تک وہ جا سکتا ہے۔ کہیں نہ کہیں تو میری اُس کی مڈبھیڑ

www.taemeernews.com

ہوگی اور یقیناً وہ جگہ اس بات کے لئے مناسب ترین ہوگی کہ میں .....

چلتے چلتے .....

چلتے چلتے .....

اُس نے مجھے اُن تمام جہانوں کی سیر کرادی جو آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نظروں سے اوجھل تھے، لیکن وہ جس جگہ بھی جاتا بے نیل و مرام نکل آتا۔ جب اُسے کچھ لینا دینا نہیں تھا تو پھر وہاں جاتا ہی کیوں تھا۔ وہ چاہتا تو اِن جگہوں میں مجھ سے چھپ بھی سکتا تھا لیکن وہ مجھ سے بھاگ کہاں رہا تھا .....؟

وہ تو مستقل میری آنکھوں کے سامنے دندناتا ہی پھر رہا تھا، اگر وہ واقعی مجھ سے چھپنے کی کوشش کرتا تو شاید مجھے خوشی ہی ہوتی یعنی یہ کہ اُسے ہیچا کرنے کی خبر ہوگئی ہے تب ہی تو .....

دوسرے یہ کہ مجھے بھی اس تگ و دو سے باز آجانے کا ایک بہانہ ہاتھ آجاتا لیکن وہ تو جیسے مجھے بالکل نظر انداز ہی کر رہا تھا، اپنی دُھن میں جیسے مگن تھا وہ .....

دُھن میں تو میں بھی مگن تھا اور یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ اتنی محنت اور وقت کی بربادی کے بعد میں اپنا مقصد پورا کئے بغیر بھاگ جاؤں، اب تو جو ہو سو ہو، وہ جہاں جائے، پاتال میں بھی چلا جائے تو مجھے پیچھے نہیں ہٹنا ——

عمارتیں ختم ہوئیں، ایوان پیچھے رہ گئے، مکانات کا سلسلہ ختم ہوا، بازار در بازار پیچھے کھڑے رہ گئے، سڑکیں ختم ہوئیں اور .....

وہ تو کوئی باقاعدہ چلنے والا راستہ ہی نہیں تھا، قدموں سے روند اکر زبردستی راستہ بنا تھا، خصوصیت بس یہ تھی کہ وہ ایک ویرانہ تھا، دور دور تک بس اکا دکا آدمی دکھائی دے جاتے وہ مجھ سے صرف چند قدموں کے فاصلے پر تھا اور اب ہمارے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی۔

اُس کے ساتھ ساتھ میں نے اپنے کمال کا بھی اعتراف کیا کہ ہم نے شروع سے اپنے درمیان جو فاصلہ قائم کیا تھا، وہ کم و بیش ابھی تک برقرار تھا۔

میں نے اُسے غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔

بہت مختلف نہیں تھا اس سے جو اب تک میری نگاہوں اور میرے تصور میں رہا تھا، ایک

www.taemeernews.com

بے حد عام اور بدحواس آدمی .....

"اے صاحب، سنئے تو ....."

میں نے اسے آواز دی، وہ چونک کر ایک لمحہ کے لئے جیسے ٹھٹک گیا، پھر اپنی رفتار تیز کردی۔

"اے بھائی ....."

میں نے بھی اپنی رفتار تیز کرتے ہوئے اُسے پھر پکارا، اس کی بدحواسی بڑھ گئی اور وہ دوڑنے لگا۔ ناہموار راستے پر دوڑنا ..... اُسے ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا، میں دوڑ کر اُس کے پاس پہنچا اور سہارا دے کر اُسے اُٹھایا۔ ٹھوکر کھانے سے اُس کی پوٹلی دور جا گری تھی، میں نے جلدی سے اُسے اُٹھالیا .....

کچھ نہیں، بس ایک بوسیدہ لیکن بے داغ سفید کپڑا .....

ململ کو جیسے کانٹے دار جھاڑی پر پھیلا کر کھینچ لیا جائے ..... جگہ جگہ بہت ہی بے دردی سے پچا ہوا۔

میں نے حیرانی سے اُس کی طرف دیکھا، وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

میں بغور اُسے دیکھتا رہا۔

www.taemeernews.com

اَپ ہرن

جیسے کوئی بم پھٹا.....

سارے بچے سہم کر دیوار سے لگ گئے۔ چم چم کرتی ہوئی جیپ بے نیازی سے گیٹ کے اندر چلی گئی۔ بنگلہ میں کچھ لوگ جیپ کے منتظر تھے۔ جیپ پورٹیکو میں رُکی، سب اُس کی طرف دوڑ گئے۔ پیچھے بیٹھے ہوئے مسلم سپاہی کُودے اور آگے بیٹھے ہوئے حاکم کے لئے دروازہ کھول کر اٹنشن کی حالت میں کھڑے ہو گئے۔ حاکم ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ اُترا اور ان پر ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈال کر کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ بنگلہ کا خانساماں اُس کی اگوائی کے لئے بچھا جا رہا تھا۔

بھوندو کے سسکنے کی آواز سے اُس کا باپ بالک رام چونک اُٹھا۔

"کیا ہوا رے ——؟"

"وہ..... وہ میری گیند....."

بھوندو نے روتے ہوئے بنگلہ کی طرف اشارہ کیا۔ اُس کے سبھی ساتھی ڈر کے مارے بھاگ چکے تھے۔

"کیا ہوا گیند کو ——؟"

بالک رام فوراً کچھ سمجھ نہیں سکا لیکن بھوندو کی نشان دہی پر جب اس نے غور کیا تو بات

www.taemeernews.com

اُس کی سمجھ میں آگئی ۔ اندر پورٹیکو میں ایک جیپ بے حد رعب کے ساتھ کھڑی تھی اور گیٹ کے پاس ربر کی گیند کے ٹکرے پڑے تھے ۔

بالک رام ہنسنے لگا ۔

"ارے وہ ..... صاب کی جیپ سے ..... تو گیٹ کے پاس کھیل ہی کیوں رہا تھا، اس کے لئے میدان نہیں ہے کیا .....؟"

"روز ہی تو کھیلتا ہوں ....."

بھوندو کے آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے ۔

"اب نہ کھیلنا ..... جانتا نہیں، اب صاب آگئے ہیں ....."

بالک رام نے اُسے سمجھایا لیکن اس نے بھوندو کے نقصان کی تلافی کی بات تو کی ہی نہیں سو اُس کا رونا جاری رہا ۔

"اے بالک رام، صاب آگئے ہیں، جلدی سے گرم گرم سنگھاڑا تل کر بھیج دو اور خوب بڑھیا چائے بھی ..... اور ہاں سپاہیوں کے لئے بھی ....."

خانساماں نے گیٹ پر آکر اُسے پکارا اور جلدی سے اندر چلا گیا ۔ بالک رام کے ہاتھ حکم کی تعمیل میں مشینی انداز میں چلنے لگے ۔

موٹی، بھدّی لیکن صاف ستھری طشتریوں میں اُس نے دو دو سنگھاڑے اور ایک ایک چمچہ کچے آم کی چٹنی ڈالی، صاحب کے لئے بڑی پلیٹ میں چار سنگھاڑے اور طشتری میں چٹنی .....

"اب رونا دھونا بند کر اور جلدی سے یہ ٹرے اٹھا کر اندر لے جا ..."

بالک رام نے اُسے چمکار کر کہا ۔

"میں نہیں جاؤں گا ....."

بھوندو نے بسورتے ہوئے اپنا فیصلہ سُنایا ۔

"ارے جا، چونچلے مت کر ..... جلدی کر، سنگھاڑے ٹھنڈے ہو جائیں گے ....."

بالک رام کا بھوندو کے نقصان عظیم پر کوئی دھیان ہی نہیں تھا ۔

"نہیں ..... نہیں ..... میں نہیں جاؤں گا ....."

www.taemeernews.com

بھوندو بال ہٹ پر اُتر آیا۔

"تو تو نہیں جائے گا ــــ؟"

بالک رام نے اُسے گھورا۔

"نہیں ....."

بھوندو اپنے فیصلے پر اٹل تھا۔

ٹھیک ہے، مت جا ..... تیری ماں جائے گی ....."

بالک رام نے اپنی بیوی کو آواز دی۔ وہ جھونپڑی کے اندر سے جلدی سے نکلی۔

"جا اندر بنگلے میں یہ ٹرے لے جا ..... میں ہاتھ دھو کر چائے بناتا ہوں ....."

بالک رام نے بھوندو کے احتجاج کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی اور بیوی کو ٹرے اٹھانے کا اشارہ کیا۔ بھوندو منہ پھُلائے بیٹھا تھا۔

"اور بھوندو ..... ؟ میں سلائی کر رہی ہوں، ماسٹر جی کی بیٹی کا کرتا آج ہی دے دینا ہے ....."

"اِن کا پڑھ لکھ کر ماتھا خراب ہو گیا ہے، وہ نہیں جائیں گے ....."

بالک رام نے دس سالہ بھوندو کو اہمیت ضرور دی لیکن دوسرے انداز میں، اس کی بیوی نے مسکرا کر بیٹے کی طرف دیکھا۔

"جائے گا کیوں نہیں میرا بیٹا ..... لیکن میں بھی تو جانوں، بات کیا ہے ....؟"

"صاب نے میری گیند پھاڑ دی۔"

بھوندو نے اطلاع دی۔ اس کی ماں کے چہرے پر ایک رنگ آ گیا۔ ایک روپے کی گیند تھی۔ اُسی نے تو پیسے دیے تھے، حساب میں سو میں اسّی نمبر لانے پر۔

"میں کہتا ہوں صاب نے کوئی جان کر تھوڑی ایسا کیا ہوگا۔ بنگلے کا گیٹ کوئی کھیل کا میدان تو نہیں ہے نا۔ ان کی جیپ آ رہی تھی، غلطی سے اُس کے پہیے کے نیچے آ گئی ہوگی گیند ....."

بالک رام نے 'صاب' کی طرف سے صفائی دی۔

"گاڑی کو روک نہیں سکتے تھے .....؟ آگے تو بیٹھے تھے اور شیشے سے صاف تو دِکھ رہا

www.taemeernews.com

رہا تھا..... میری گیند ..... اب میرے ساتھ کوئی نہیں کھیلے گا ....."

بھوندو پھر بلکنے لگا، اس قدر صفائی سے اپنا دفاع کرنے پر ماں کو اُس پر پیار آگیا۔

ماسٹر جی ٹھیک کہتے ہیں، لکھنے پڑھنے سے ماتھے میں روشنی آجاتی ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے، تمہیں دوسری گیند منگوادیں گے ..."

ماتھے کے اندر کی روشنی اچانک بھوندو کے سارے چہرے پر چھا گئی۔ اُس نے جلدی جلدی اپنی آستین سے آنسو پونچھے اور اپنی خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے تھوڑی سی بلیک میلنگ کی کوشش بھی کی۔

"دو روپے والی گیند نا ..... ؟"

"ہاں بھائی دو روپے والی ..... اب تو جلدی سے اسے لے کر جا، کہیں صاب ناراض ہوگئے تو ....."

بھوندو کو لگا کہ صاب سے زیادہ ماں اور باپو کی ناراضگی .....

وہ جلدی سے ٹرے سر پر رکھ کے بنگلے کی طرف بھاگا۔ ناشتہ میں دیر ہونے پر سپاہیوں کی تیوریاں چڑھ چکی تھیں لیکن اُنہوں نے ٹرے آتے دیکھا تو تیوریوں کی جگہ باچھیں .....

"ارے چھوکرے ..... اِدھر آ ....."

ایک سپاہی نے اُسے سیدھے کمرے میں جاتا دیکھ کر دالان میں ہی روک لیا، اپنی طشتریاں اٹھالیں، تب اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

صاحب آرام کرسی پر کھڑکی کے پاس آنکھیں موندے پڑے تھے۔ اس نے پاس رکھی تپائی پر زور سے ٹرے رکھی۔ ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

آٹھ دس سال کا ایک چھوکرا سر جھکائے اُن کے سامنے کھڑا تھا۔ اُنہوں نے ناشتے اور چھوکرے پر ایک ساتھ نگاہیں ڈالیں۔ دونوں کا آپسی رشتہ شاید ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"رکھ دو ....."

انہوں نے دھیرے سے کہا۔ ناشتہ تو وہ پہلے ہی رکھ چکا تھا، وہ خاموش کھڑا رہا۔ صاحب نے ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ٹرے پر ڈالی۔ ناشتہ تو خیر جیسا بھی ہو لیکن اس اُجاڑ، ویران اور تہذیب و تمدن

www.taemeernews.com

سے دور جگہ پر جس طرح اسے پیش کیا گیا تھا' اِس نے اُنہیں چونکا دیا۔

"کام کرتے ہو ..... ؟"

انہوں نے سنگھاڑے کا ایک ٹکرا مُنہ میں رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"پڑھتا ہوں صاب ..... کبھی کبھی باپو کا ہاتھ بٹا دیتا ہوں دوکان پر ...."

"ایں ..... ؟ پڑھتے ہو ..... ؟"

اُنہوں نے غور سے اُسے دیکھا۔ دیکھنے میں تو نہیں لگتا تھا البتہ اُس کے اندر سے روشنی کی ایک لکیر سی ضرور آ رہی تھی۔ لیکن اس سے اور کیا بات کی جا سکتی تھی ..... اتنے چھوٹے لڑکے سے .....

"ٹھیک ہے، تم جاؤ ....."

وہ کمرے سے نکل کر گیٹ کی طرف دوڑ گیا، گیند کے ٹکرے ابھی تک پڑے تھے' اُس نے اُن ٹکروں کو اُٹھا لیا اور دوکان پر آ گیا۔

"برتن .....؟"

بالک رام نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا۔ وہ گڑبڑا گیا۔ گیند کے ٹکروں کو اُس نے اپنی نیکر میں ٹھونس رکھا تھا۔

"صاب کھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا جاؤ' میں چلا آیا ....."

"اور برتن کون لائے گا ..... تیرا ..... ؟"

بالک رام کو اس کی غیر ذمہ داری پر غصہ آ گیا پھر فوراً خیال آیا کہ ابھی چائے تو باقی ہی ہے' سب برتن ایک ساتھ ہی آ جائیں گے۔ چائے بھی تیار ہی تھی کہ بنگلے کا خانساماں دوڑا دوڑا آیا۔

"اے بالک رام ..... تمہیں صاب بُلاتے ہیں ...."

"صاب .....؟ مجھے .....؟ کیوں بھائی کچھ قصور ہو گیا کیا ــــ ؟"

بالک رام پولیس کے اتنے بڑے حاکم کی طلبی پر کانپ گیا۔ اس نے خونخوار نظروں سے بھوندو کی طرف دیکھا جو اندر دیوار کی طرف پیٹھ کر کے نہ جانے کیا کر رہا تھا۔

'پتہ نہیں کیا کر کے آیا ہے ..... دو اکچھر پڑھ کے ابھی اس کا دماغ خراب ہونے لگا

www.taemeernews.com

ہے، میں تو پہلے ہی کہتا تھا لیکن یہ ماسٹر جی .....'

" کچھ ایسا لگتا تو نہیں ..... اُنہوں نے بھوندو کے بارے میں پوچھا، پھر تمہارے بارے میں، ویسے وہ سنگھاڑے مزے لے لے کر کھا رہے تھے ....."

خانساماں کے جواب نے اُس کی ڈھارس بندھائی۔ چائے اُس نے خود لے جانے کی ٹھانی، سلیقے سے سب چیزوں کو سجا کر اُس نے بیوی کو آواز دی۔

" دیکھنا ..... میں بنگلے کی طرف جا رہا ہوں چائے لے کر ....."

صاحب کے کمرے تک خانساماں نے اس کی رہنمائی کی۔ باہر باوردی سپاہیوں کو دیکھ کر اس کے اندر ہیبت طاری ہو چکی تھی۔ اندر صاحب آرام کرسی پر آدھے لیٹے سگریٹ پی رہے تھے۔

" حضور ..... بالک رام ....."

خانساماں نے اُسے اُن کی خدمت میں پیش کر دیا۔ صاحب نے غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر چائے رکھنے کا اشارہ کیا اور خانساماں سے بولے۔

" ٹھیک ہے تم جاؤ، رات کا کھانا ذرا بڑھیا ....."

" حضور چکن منگوالیا ہے، آلو کی سبزی، دال، کھیر ....."

خانساماں نے اپنی کارکردگی کی ایک جھلک دکھانی چاہی۔

" ٹھیک ہے ..... ٹھیک ہے ....."

خانساماں جلدی سے چلا گیا۔

" چائے بناؤ ....."

صاحب نے بالک رام کو حکم دیا۔ اُس نے کانپتے ہاتھوں سے چائے بنانی شروع کی۔ ڈاک بنگلہ میں شروع ہی سے چائے ناشتے کا نظم نہیں تھا، یہ ذمہ داری بالک رام کی تھی۔ وہ صاحب لوگوں کے ذوق کے مطابق نفیس برتن بھی رکھتا، اگرچہ اس اُجاڑ ڈاک بنگلے کو کبھی کبھار ہی کوئی صاحب رونق بخشتے۔

" وہ بچہ ..... میرا مطلب ہے وہ جو سنگھاڑے لے کر آیا تھا، تمہارا بچہ ہے .....؟"

صاحب نے چائے کی پیالی اُٹھالی۔

" جی صاب ..... کوئی گلتی ہوگئی کیا .....؟ بچہ ہے صاب ....."

www.taemeernews.com

بالک رام کانپ اُٹھا، اُسے اچھی طرح پتہ تھا کہ 'صاب' پولیس کے بہت بڑے حاکم ہیں۔

"کیا کرتا ہے وہ ....؟ میرا مطلب ہے تمہارے ساتھ .....؟"

اُنہوں نے اُس کے خوف کو نظر انداز کر دیا۔

"ماسٹر جی نے اُسے پڑھنے بھی بیٹھا دیا ہے صاب .... ویسے وہ دوکان پر بھی ....."

"تم ایسا کرو، جب تک میں یہاں رہوں، اُسے میرے پاس بھیج دیا کرو، خانساماں ویسے ہے تو اچھا لیکن بہت باتونی ہے، وہ بچہ میرے کھانے پینے کا ......"

بالک رام خوش خوش لوٹا، اسے ناشتے کے پیسوں کے ساتھ دوگنی ٹپ مل گئی تھی، ساتھ ہی صاب کی اپنائیت بھی۔

اُس نے خوشی خوشی بیوی کو روداد سنائی، وہ خوش نہیں ہوئی بلکہ کچھ فکرمند ہو گئی۔

"بھوندو کے پاس اتنا سمے کہاں ہے ....؟ سارا سمے تو اُس کا ماسٹر جی کے ہاں نکل جاتا ہے، پھر دوکان .... بچّہ ہے اس لئے اُسے کھیلنے کے لئے بھی ...."

اس کی بیوی نے اس کی خوشیوں پر پانی پھیرنے کی کوشش کی، بالک رام کو تاؤ آ گیا۔

"کیا بولتی ہے ...... پڑھ لکھ کر کیا وہ کلکٹر بن جائے گا ــ؟ ارے ہم وہی رہیں گے جو ہیں ..... ماسٹر جی نے تم لوگوں کا دماغ .... پتہ نہیں کیا کریں گے وہ اسے پڑھا لکھا کے .... خود کون سا تیر مار رہے ہیں، وہی پھٹی دھوتی، پُرانا کُرتا اور چھاتہ ...."

"ماسٹر جی کو کچھ مت کہو جی، انہوں نے نجانے کتنے لعل پیدا کر دیے۔ کھیت وہیں پر رہتا ہے لیکن اس کا اناج ولایت کی منڈیوں تک پہنچ جاتا ہے ....."

اس کی بیوی کو ماسٹر جی پر زبردست اعتماد تھا۔ بھوندو کو انہوں نے ہی ایک لعل کی طرح اس کی گدڑی سے اٹھایا تھا۔ وہ پڑھی لکھی نہیں تھی لیکن ماسٹر جی کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو وہ گرہ کی طرح باندھ لیتی اور ان کے خلاف کچھ بھی سننے کو تیار نہیں ہوتی تھی۔

"دیکھ تو ہے مورکھ .... بھوندو بہت پڑھ لکھ لے گا بھی تو کچھ فائدہ نہیں پہنچنے والا، ماسٹر جی سے آگے تو نہیں جائے گا نا، وہ تو بہت پڑھے لکھے ہیں ....."

بالک رام جانتا تھا کہ بھوندو کی ماں کو وہ یوں قائل نہیں کر سکتا اس لئے وہ اسے سمجھانے بجھانے

www.taemeernews.com

پرائز آیا۔

"اور رمیش، سریش، روپ نرائن، ناگندر ...... کیا کر رہے ہیں .....؟"

وہ جاہل ضرور تھی لیکن واقفیت میں کسی سے کم نہ تھی ——— اس نے شہر جانے والے سبھی لڑکوں کے ٹھیک ٹھاک نام لئے تھے جب کہ بالک رام اُنہیں چندو، مندو، پھکنا اور گیندوڑی وغیرہ نام سے ہی جانتا تھا، بیوی کی بقراطی پر وہ چڑھ گیا۔

"تمہیں کیا پتہ، شہر جا کے وہ حاکم بن گئے ہیں یا بھاڑ جھونک رہے ہیں، ماسٹر جی نے اُنہیں شہر بھگا دیا اور اب ان لونڈوں کے سارے کھیت ان کے نام لے لے کر رو رہے ہیں، بوڑھے باپ لوگ آتے ہیں اور کھانستے ہوئے چلے جاتے ہیں ......"

"وہ لوگ انگریزی پینٹ پہن کر بڑا بڑا تھیلا لٹکائے آتے ہیں، بھاڑ ہی تو جھونکتے ہیں......"

بیوی نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تو اور کیا کرتے ہیں ....؟ اتنے دنوں سے کما رہے ہیں اور سالے ایک دھور کھیت بھی نہیں خرید سکے ۔۔۔"

"لو اور سنو ...... شہر میں کمانے والا کون دیہات میں آ کر زمین خریدتا ہے کہ فصل اپنی لگاؤ کاٹیں دوسرے ...... وہ شہر میں مکان دوکان نہیں خریدیں گے۔"

بیوی نے اُس کا مذاق اُڑایا۔ بالک رام کوئی سخت بات کہنے ہی والا تھا کہ خانساماں بیڑی سُلگاتا ہوا دوکان کے پٹرے پر آ کر بیٹھ گیا۔

"کھلا دیا کھانا .... لیکن اُنہوں نے کچھ کھایا کہاں ...... دو چپاتیاں اور ایک ٹانگ .... پر یہ سالے سپاہی تو سارا کھانا ہی چٹ کر گئے۔ اس کے بعد بھی ان کا پیٹ نہیں بھرا تو ہمارے کھانے پر نظر ...... سارا راشن ختم ہو گیا ایک ہی وقت میں ......"

خانساماں اور بالک رام ایک دوسرے کے راز دار، دم ساز، ہم دم، غم گسار، دوست وغیرہ وغیرہ تھے۔ اِس وقت بالک رام کو اُس کی غم گساری کی واقعی ضرورت تھی لیکن بالک رام کو اُس کے دل کی بھڑاس کی پہلی قسط تو سننی ہی تھی اور یہ قسط اسی وقت ختم ہوئی جب وہ دم توڑتی ہوئی بیڑی کا کش لینے کو رُکا۔ موقع سے فائدہ اُٹھا کر بالک رام نے جلدی جلدی اپنی داستان کہہ سنائی۔ خانساماں

www.taemeernews.com

بیڑی کے کش لیتا رہا۔ اِدھر بالک رام کی داستان ختم ہوئی اُدھر اس کی بیڑی نے دَم توڑ دیا، شاید اتنی ہی زندگی تھی اُس کی۔ اُس نے اُسے سڑک پر پھینک دیا جو فوراً دھول میں غائب بھی ہو گئی۔ اُس نے مسکراتے ہوئے بالک رام سے پوچھا۔

"تم جانتے ہو بالک رام، صاب کیا چیز ہیں .....؟"

"صاب .....؟ بہت بڑے صاب ہیں....."

بالک رام گڑبڑا گیا۔ ویسے بھی یہاں کون سے صاحب لوگ برابر آتے تھے۔ کبھی کبھار گاڑیوں پر لد کے لوگ آتے اور گھنٹہ دو گھنٹہ ٹھہر کر چلے جاتے، چناؤ کے زمانے کی بات اور تھی۔

"پولیس کے بہت بڑے صاب ہیں، دروغہ، انسپکٹر اور ڈی ایس پی سے بھی بہت بڑے۔ ابھی کل دیکھنا، کیسا وردی پہن کے نکلیں گے اور کیسے سپاہی لوگ سیٹی بجائیں گے....."

خانساماں نے بڑے فخر سے بتایا جیسے وہ بھی اس تام جھام کا ایک اٹوٹ حصہ ہو۔ بالک رام ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھتا رہا۔

"میری مانو تو....." خانساماں نے بڑے رازدارانہ اور اپنائیت کے انداز میں رائے دی ـــــ "جو صاب کہتے ہیں نا، اُسے مان لو، چھوکرے کو ان کے پیچھے لگا دو۔ ان کی سیوا میں رہے گا تو آگے جا کر اسے کہیں نہ کہیں لگا ہی دیں گے۔ سپاہی کی نوکری تو سمجھو ان کے ہاتھ کی ہی ہے۔"

"سپاہی کی .....؟"

بالک رام کی آنکھیں چمک اُٹھیں، وردی، ٹوپی، بوٹ، سیٹی ..... طاقت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ..... آج کل کے چھوکرے تو پڑھ لکھ کے بھی کچھ نہیں جانتے، ایس پی صاحب کی گاڑی آئی اور اتنے چھوٹے چھوٹے چھوکرے بھاگے تک نہیں، اُلٹا ایک معمولی سی گیند کیا پھٹ گئی کہ ایک مصیبت کھڑی کر دی۔ ایک زمانہ تھا کہ سپاہی بھی گاؤں میں چلا آتا تو جیسے پوری سرکار اُٹھ کر چلی آئی۔ سب گھروں میں بند، سانس لینا تک ملتوی ..... لیکن سپاہی تو سپاہی ہوتا ہے، کل کی سرکار کا رہے چاہے آج کی سرکار کا، رہے گا وہ ہمیشہ سرکاری تنتر کی ایک نشان ہی .....

"کیا سوچ رہے ہو بالک رام.....؟ تم بھاگیہ شالی ہو جو ایس پی صاب نے تم سے یوں بات کر لی اور تم سے فرمائش بھی کر ڈالی، دوسرے لوگ تو بس اس بات کے لئے ترستے ہیں کہ صاب نظر بھر کے

www.taemeernews.com

اُنہیں دیکھ ہی لیں ..... چھوکرے کو آج ہی سے وہاں لگا دو ..... رات کا کھانا میں آٹھ بجے تیار کر دوں گا، اس سے پہلے بھیج دینا ....."

خانساماں نے کھینی کی آخری چٹکی نچلے ہونٹوں میں دابی اور رخصت ہوا۔ اُس کے جاتے ہی مالک رام کی بیوی جیسے پھٹ پڑی۔

"نہیں بننا ہے میرے لال کو سپاہی وپاہی ..... بڑا آیا صاب کی دلالی کرنے ..... اپنے بچّے کو کیوں نہیں لگا دیتا بیگار پر، دوسروں کے بچّے پر نگاہیں گاڑے بیٹھا ہے ....."

مالک رام کو اُس کی بے وقت کی شہنائی ایک آنکھ نہیں بھائی لیکن اس سے زیادہ بحث کرنے کا مطلب تھا اپنا ماتھا خراب کرنا۔ وہ یوں بھی دبنگ عورت تھی اور پھر ماسٹر جی نے پتہ نہیں اس کے دماغ میں کیا کیا بھر دیا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بڑا صاب بنانے کی جتن میں لگی ہوئی تھی، اس نے بہت ضبط کر کے دھیرے سے پوچھا۔

"اِس میں خانساماں جی کا کیا فائدہ ہے .....؟"

"فائدہ .....؟ یہی فائدہ ہے کہ ہمارا بچہ لکھ پڑھ نہیں سکے، وہ صاب لوگوں کی جوتیاں سیدھی کرتا رہے، سب کا جوٹھا کھاتا رہے ..... پڑھ لکھ لے گا تو خود صاحب نہیں بن جائے گا غریب کا بچّہ ....."

"سپاہی کی نوکری جوتیاں سیدھی کرنے اور جوٹھا کھانے کے لئے نہیں ہوتی بھاگوان ....."

اس نے پھر برداشت سے کام لیا۔ بیوی بڑے طنزیہ انداز میں مُسکرائی۔

"نوکری .....؟ دس برس کے بچّے کو نوکری .....؟ ابھی دس برس وہ اُسے بیگار میں لگائیں گے، نوکروں کی طرح کھٹائیں گے، جہاں جہاں جائیں گے، ان کے پیچھے کتّے کی طرح گھومتا رہے گا، تب جا کر اُسے نوکری ملے گی .....؟ سپاہی کی .....؟ اور وہ بھی جانے ملے گی بھی یا نہیں ..... جب نو من تیل ہوگا تب رادھا ناچیں گی ....."

مالک رام کا ذہن پھر ماسٹر جی کی طرف چلا گیا ..... اتنی بڑی بڑی باتیں اس کے دماغ میں بیٹھا دی ہیں اُنہوں نے کہ اب یا تو بھگوان ہی انہیں نکالیں یا .....

اس نے جواب دینا مناسب بھی نہیں سمجھا اور سیدھے ماسٹر جی ہی سے بات کرنے کا ارادہ

www.taemeernews.com

کرکے چُپ ہو رہا۔

سورج ڈوبتے ہی ماں کی سخت نگرانی میں ڈھبری جلاکر بھوندو بورا بچھاکر پڑھنے بیٹھ گیا۔ بالک رام کا ذہن آٹھ کی سوئی میں اُلجھا ہوا تھا، وہ بظاہر اپنے کاموں میں مصروف تھا لیکن ..... شام کو وہ جو پکوڑیاں تلتا، وہ دُور دُور تک مشہور تھیں، اُس کے لگے ہوئے گاہک کچھ دیر پہلے ہی سے باہر بچھے اسٹول پر آکر بیٹھ جاتے لیکن اُس دن کیا بات تھی کہ گاہکوں کو کچھ مزا نہیں آیا۔

"کیا بات ہے بالک رام ..... ؟ آج تمہاری پکوڑیوں میں وہ مزہ نہیں ....."

یہ سن کر وہ بھونچکا رہ گیا۔ مسالہ، نمک، تیل وغیرہ تو اُس نے ٹھیک ہی ڈالا تھا ..... اُس نے جلدی جلدی پکوڑیوں کی دوسری قسط چھانی۔

"اُدھر ..... !"

پکوڑیاں کھائی تو گئیں لیکن بددلی سے اور پکوڑیوں کا سنا ہوا مادہ بچا رہ گیا، گاہک لوٹ گئے، دوکان پر سناٹا چھا گیا۔ اب آٹھ بجنے ہی والے تھے۔ اُس نے جلدی جلدی جھاڑ پونچھ کر اندر جھانکا، بھوندو پڑھنے میں غرق تھا اور اُس کی ماں ڈھبری کی روشنی میں کپڑے لئے آنکھیں گڑائے بیٹھی تھی۔

اُس کی ہمت نہیں پڑی کچھ کہنے کی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کھنکھار کر آواز دی۔

"میں ذرا جا رہا ہوں بنگلے کی طرف .....؛"

اُس کی بیوی کچھ بولی نہیں، اس نے غور سے باہر دیکھنے کی کوشش کی لیکن اسے صرف بالک رام کا ہیولہ ہی دکھائی دیا۔ باہر گھپ اندھیرا تھا، بالک رام لالٹین بجھا کر چلا گیا۔

خانساماں ٹرے میں کھانا سجا چکا تھا۔ بالک رام کو تنہا آتے دیکھا تو پوچھا۔

"اور بھوندو ..... ؟"

"بھوندو .....؟ بات یہ ہے کہ وہ ....."

بالک رام صحیح بات نہیں بول سکا، خانساماں جہاں دیدہ تھا، سمجھ گیا اور ٹرے میں پانی کی بوتل رکھتے ہوئے بولا۔

"جورو کے کہنے پر چلوگے تو کہیں کے نہ رہوگے ..... اب صاب پوچھیں گے تو کیا جواب

www.taemeernews.com

دو گے ..... ؟ ایں بولو ..... ؟"

بالک رام ٹرے اُٹھاتے ہوئے بولا۔

"مان جائے گی خانساماں جی ..... وہ ماسٹر جی ہیں نا وہ ....."

خانساماں افسوس سے سر ہلا کر رہ گیا۔ اس ماسٹر نے تو گاؤں کا اور ستیاناس کیا ہے۔ اُن کے آنے سے اس قدر بدرعبی پھیلی ہے کہ کچھ پوچھو نہیں۔

صاحب کھڑکی کی طرف منہ کر کے کھڑے تھے۔ باہر باغیچے میں جو پھول کھلے تھے، اُن کی خوشبو سے کمرہ معطر ہو رہا تھا۔

اُس نے میز پر پلیٹیں سجائیں، گلاس اور بوتل رکھے، نیپکین کو سلیقے سے گلاس کے نیچے رکھا۔

اتنے میں صاحب مُڑے۔

"تم ..... ؟"

اُن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"سرکار ..... !"

اُس نے سر تسلیم خم کر دیا۔

"وہ ..... وہ بچہ ..... ؟"

اُنہوں نے آہستہ سے پوچھا۔

"سرکار وہ اس کے ..... اُس کی ماں اسے پڑھاتی ہے ....."

اس نے سچ سچ بتا دیا۔ صاحب کچھ نہ بولے، باتھ روم چلے گئے، ہاتھ منہ دھو کر آئے تو پہلا نوالہ لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"تمہاری پتنی پڑھی لکھی ہے ..... ؟"

"نہیں سرکار ..... میری طرح انگوٹھا چھاپ ہے ....."

اتنے بڑے حاکم کے سامنے سب کچھ سچ سچ بتا دینے ہی میں عافیت تھی۔

"پھر ..... پھر وہ تمہارے بچے کو کیسے پڑھاتی ہے ..... ؟"

فطری سوال تھا۔

www.taemeernews.com

"وہ خود سے نہیں پڑھاتی، بس وہیں پر بیٹھی رہتی ہے ۔"

صاحب کچھ نہ بولے، چپ چاپ کھاتے رہے، پھر اُنہیں کچھ خیال آیا۔

"یہاں ہائی اسکول ہے .....؟"

"نہیں سرکار، مڈل اسکول ....."

"مڈل کے بعد کہاں بھیجو گے .....؟"

"دو کوس پر ..... ہائی اسکول ہے ....."

"یعنی دو کوس آنا اور دو کوس جانا .....؟"

"کرنا ہی پڑے گا ....."

"اچھا چلو، اُس نے اسکول بھی کر لیا، آگے .....؟"

"کالج تو سرکار شہر میں ہے ....."

"وہاں تمہارا بچہ ہوسٹل میں رہے گا .....؟"

بالک رام کے پاس اس کا جواب نہیں تھا، اصل میں اُسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ آگے ..... بہت آگے بھی کوئی چیز ہوتی ہے، اسے جانکاری تھی تو بس اتنی کہ قصبہ میں ہائی اسکول ہے اور شہر میں کالج۔

"چلو بھائی، یہ بھی مان لیتے ہیں کہ تمہارے بچے نے گریجویشن کر لیا، پھر کیا کرے گا وہ .....؟"

صاحب کھانے کے ساتھ ساتھ سوال جواب سے بھی بڑے مزے میں جو جھ رہے تھے۔

"پتہ نہیں سرکار ....."

بالک رام اگر کچھ جانتا بھی تھا تو اب اُسے ارمان لینے ہی میں عافیت نظر آئی۔ صاحب کھانا ختم کر کے نیپکین سے ہاتھ پونچھ کر آرام کرسی پر آ لیٹے اور سگار سلگا لیا۔ اُس نے بدن سمیٹے اور بڑے لے کر جانے کو مڑا کہ اُنہوں نے اُسے مخاطب کیا۔

"جانتے ہو بالک رام ..... آج کی تاریخ میں جب ایک کلرک اور ایک چپراسی کی جگہ نکلتی ہے تو پانچ پانچ ہزار بی اے اور ایم اے درخواستیں لے کر چلے آتے ہیں، جب کہ بحالی صرف ایک کی ہوتی ہے، سوچو کہ ابھی تمہارے بچے کو بی اے کرنے میں کتنی دیر ہے اور یہ بھی سوچو کہ اُس وقت ہمارے دیش کی

www.taemeernews.com

جن سنکھیا کیا ہو جائے گی .... ؟ موٹا موٹی یوں کہ ایک جگہ اور پچیس پچیس ہزار درخواستیں ......
تمہارا بیٹا کہاں فٹ ہوگا سمجھ لو .....''

وہ گُم صُم کھڑا رہ گیا۔ پڑھا لکھا آدمی اپنی بات کس طرح دماغ میں بیٹھا دیتا ہے اُس کا جیتا جاگتا نمونہ ....

سپاہیوں کو کھلا کے اور برتن دھو کر جب وہ واپس آیا تو بھوندو سو چکا تھا' اس کی ماں اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔

''کھانا گرم کر دوں ــــ ؟''

اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''اچھا نہیں .... تم کھا لو۔

اس نے بے دلی سے جواب دیا۔

''بنگلے میں کچھ کھا پی لیا کیا ــــ ؟''

بیوی نے کچھ شوخی سے پوچھا۔ اُس کو غصہ تو بڑے زور کا آیا لیکن اس نے ضبط کیا اور دھیرے سے بولا۔

''نہیں ..... کھانا اچھا نہیں .....''

وہ چٹائی پر لیٹ گیا۔ اُس کی بیوی بھی کھانے کا پروگرام ملتوی کر کے اُس کے قریب آ بیٹھی اور اس کی پیشانی سہلاتے ہوئے بولی۔

''کیا بات ہے ...... ؟ کچھ صاب نے .....''

وہ تلملا کر اُٹھ بیٹھا اور تیز لہجے میں پوچھا۔

''تو بھوندو کو کیا بنانا چاہتی ہے .... ؟ کلرک یا چپراسی ..... ؟''

''میں بھوندو کو صاب بنانا چاہتی ہوں ــــ''

اُس نے بے حد عزم کے ساتھ صاف صاف کہا۔

''اونہہ .... صاب .... ارے چپراسی کی جگہ کے لئے پانچ پانچ ہزار درخواستیں آتی ہیں اور بھوندو کے پڑھتے پڑھتے تو ....''

www.taemeernews.com

"تو صاب چپراسی کیوں نہیں بنے ..... ؟ وہ صاب کیسے بن گئے ..... ؟"

بات برداشت سے باہر ہوگئی اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیوں کہ وہ بالک رام کی سنتان نہیں تھے ..... تو تو اپنے بچے کی زندگی سے کھیل رہی ہے۔ وہ صاب کی سیوا میں رہے گا تو ہم سے بہت اچھا رہے گا ..... ابھی تو ہم کسی طرح روکھی سوکھی کھلا کر اسے پڑھا رہے ہیں، آگے کیا ہوگا، کیا معلوم ..... ؟"

اُس کی بیوی خاموش ہوگئی۔ جواب تو تھا اس کے پاس لیکن بالک رام کی دل شکنی کے باعث چُپ رہی۔ بالک رام کی مسلسل بے چینی سے وہ بھی پریشان تھی۔ لیکن بھوندو جس راستے پر جا رہا تھا، وہاں سے اُسے کسی قیمت پر واپس بھی نہیں لانا چاہتی تھی۔ وہ یہ بات جانتی تھی کہ بنگلہ میں جو صاب آیا ہے وہ پولیس کا بہت بڑا حاکم ہے اور اس کی ناراضگی مول لینا اس کی تو کیا، گاؤں کے کسی آدمی کی اوقات سے باہر تھی۔ دھول، بالو اور بنجر زمینوں سے گھرا ہوا یہ سب ڈویژن حال ہی میں پولیس ضلع بنایا گیا تھا صدر مقام سے دو تین میل کے فاصلے پر یہ گاؤں تھا جہاں کا خالی، ویران اور وسیع ڈاک بنگلہ صاحب کی رہائش گاہ کے لئے منتخب ہوا تھا اور اتفاق کہ پہلی ہی نگاہ میں انہوں نے اس کے اکلوتے بیٹے کو اپنی سیوا کے لئے چن لیا تھا، لیکن دس برس کا یہ چھوٹا سا کالا کلوٹا، ہنستا کھیلتا، جیتا جاگتا گڈا کتنے بڑے سپنوں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا، اس کا اندازہ کسی کو نہیں تھا، وہ بھلے کم سن تھا لیکن اس کے آس پاس سپنوں کی جو عظیم عمارتیں کھڑی تھیں، اُن کی عمر اُس سے کہیں زیادہ تھیں اور انہیں یکلخت زمین بوس کر دینا آسان نہیں تھا۔

اُس نے بڑی بے چارگی اور بے بسی سے بھوندو کی طرف دیکھا جو بے سُدھ سویا ہوا تھا۔ اَن پڑھ ہوتے ہوئے بھی وہ اُس کے پڑھنے لکھنے اور کھیلنے کے اوقات کی پوری نگرانی کرتی اور اپنی حیثیت سے کہیں بڑھ کر اُسے اچھا کھلانے اور پہنانے کی کوشش کرتی۔ مالک رام اپنی دنیا میں مگن رہتا۔ جس میں مستقبل کے سوچ کی کوئی جگہ نہیں تھی لیکن اُس نے تو اپنی دنیا کو ایک لمبی بہت لمبی ڈور سے باندھ رکھا تھا جس کے دوسرے سرے کا اُسے خود پتہ نہیں تھا۔ وہ اس سے آزاد ہوتی بھی تو کیسے — ؟

صبح وہ بھوندو کے ساتھ ماسٹر جی کے ہاں خود گئی اور اُنہیں ساری داستان کہہ سنائی۔ وہ غور و فکر کے اتھاہ ساگر میں جیسے ڈوب گئے۔ بھوندو دیکھنے میں جتنا بھوندو تھا، اندر سے اتنا ہی ذہین .....

www.taemeernews.com

ماسٹرجی بہت سالوں سے یہاں پڑھا رہے تھے، وہ اس گاؤں کے باسی نہیں تھے لیکن یہاں کی مٹی میں یوں رچ بس گئے تھے کہ یہاں سے الگ اُنہیں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ وہ گاؤں کے بچّوں پر بہت محنت کرتے، یہ بات الگ تھی کہ اُنہیں اپنی محنت کا پھل کم ہی مل پاتا، زیادہ تر بچّے بیچ ہی میں کسی دیکھی ان دیکھی وجہ سے پڑھائی چھوڑ جاتے اور یا تو کھیتوں میں مزدوری کرتے نظر آتے یا کسی دھندے میں لگ جاتے۔ جو آگے کی ہمّت کرتے تو ہائی اسکول اور کالج وغیرہ انہیں راس نہ آتے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اکثر والدین پڑھائی کے حق میں بھی نہیں تھے، انہیں اپنے بچّوں کا یوں وقت ضائع ہونا بہت اکھرتا۔ حالات ان کے نقطۂ نگاہ پر صاد بھی کرتے۔ لہٰذا ماسٹر جی نہ صرف بچّوں پر بلکہ اس سے زیادہ محنت ان کے والدین پر کرتے اور تب کہیں جا کر وہ ایک کمزور، ٹوٹا پھوٹا، غیر مستقل اور بے حد مخدوش ماحول پیدا کر سکے تھے۔ ویسے گاؤں میں ماسٹر جی کا غیر معمولی احترام تو تھا ہی، گھریلو معاملات میں بھی آخری رائے انہیں کی ہوتی۔ انہوں نے بہت جتن کے بعد اپنا ایک غیر جانب دار کردار تخلیق کیا تھا اور خود ہی اس کی حفاظت پر کمر بستہ رہتے۔

گاؤں شہر سے دور ہی کتنا تھا، شہر کی ساری روشنیاں تو یہاں سے نظر آتیں، ماسٹر جی کہتے کہ جب کبھی شہر کی توسیع ہوگی اور اس کے لئے ماسٹر پلان بنے گا تو یہ گاؤں شہر کے بیچ آجائے گا اور شہر تو بہت تیزی سے گاؤں کی طرف بڑھ ہی رہا تھا، یوں گاؤں میں ریڈیو بھی تھا، ٹی وی بھی، لیکن دنیا کی جانکاری اُنہیں ان سے نہیں، ماسٹر جی سے ملتی۔ وہ اپنی غربت میں بھی دو دو اخبار منگواتے، زیادہ تر خبریں تو ان کے اور اخبار کے درمیان دم توڑ دیتیں لیکن وہ کچھ اہم خبریں انہیں ضرور سنا دیتے۔ وہ ہفتہ بھر کے اخبار جمع کر کے بالک رام کے حوالہ کر دیتے تاکہ وہ اُن کا لفافے بنانے میں کام لے سکے۔ بھوندو کے سبب بالک رام کے گھرانے سے ان کا ایک ان دیکھا رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ بھوندو کے اندر جو روشنی کی کرن پھوٹ رہی تھی، وہ انہیں نظر آگئی تھی، اس لئے وہ بچے کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کی بھی ہمّت افزائی کرتے رہتے۔ بالک رام کو اپنے دھندے سے کم ہی فرصت ملتی اور وہ زیادہ سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا لیکن اس کی بیوی کی سمجھ میں ساری باتیں اچھی طرح آجاتیں۔ دوسری کسی بات کے لئے اس کے اندر یوں بھی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

ماسٹر جی اس مسئلے پر بہت سوچ بچار بھی کرتے تو آخر کیا کہتے۔ اب وہ یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ

www.taemeernews.com

جو ایس پی صاحب کہہ رہے ہیں اُسے بے چوں چرا مان لو' بالک رام کی بیوی تو پہلے اُن کی باتوں سے متفق تھی' اب بات صرف بالک رام سے کرنی تھی۔

"تم چلو ..... میں دوکان پر آتا ہوں ....."

انہوں نے اس کی بیوی کو جانے کو کہا اور تھوڑی دیر کے بعد خود ہی دوکان پر پہنچ گئے۔ اسی وقت بنگلے کے اندر سے تیز سیٹیاں بجیں' تین چار موٹر سائیکل پر باوردی لوگ تیزی سے باہر نکلے' ان کے پیچھے دو جیپ' پھر ایس پی صاحب کی جیپ ..... دھول اُڑاتا گاڑیوں کا یہ قافلہ یوں چلا کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بعد میں بالک رام بھی بنگلے سے برآمد ہوا اور ماسٹر جی کو دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات اُبھرے۔ ابھی رات ہی میں اس نے انہیں بُرا بھلا کہا تھا' لیکن ان کا احترام تو لازم ہی تھا۔

رام سلام کے بعد اس نے جلدی سے بوریے کو اٹھا کر دو تین بار جھاڑا' پھر اسے بچھا کر ان کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ اس کی بیوی اندر سے ایک گلاس پانی اور ایک گلاس دودھ لے آئی۔

"بھوندو تو پڑھنے لکھنے میں اب بہت ہوشیار ہو گیا ہے بالک رام ....."

ماسٹر جی نے بات نکالی۔

"جی ماسٹر جی ..... پر خالی کہے میں میرے ہاتھ بالکل نہیں بٹاتا' بس کھیلتا رہتا ہے ....."

"تم تو بھائی بچپن ہی سے محنت کرنے والے آدمی رہے ہو' کوئی تمہارا ہاتھ بٹائے نہ بٹائے' تمہیں اس کی کیا پروا' پر ہاں بھوندو کو تمہاری مدد ضرور کرنی چاہیئے ....."

ماسٹر جی نے گویا اس کی بات کی تائید کی۔ بالک رام کے چہرے پر شردھا کے رنگ اُبھر آئے اور تب اس نے ساری رام کہانی اُنہیں سنا دی اور اپنے موقف کی ان سے تائید بھی چاہی۔ ماسٹر جی کچھ دیر سر جھکائے رہے' پھر بولے۔

"دیکھو بالک رام ..... بھوندو تمہارا بیٹا ہے اور اُس پر تمہارا اور تمہاری پتنی کا جو حق ہے' وہ میرا یا کسی اور کا نہیں ہو سکتا لیکن اُسے ابھی سے کسی کی سیوا میں لگا دینے کا مطلب ہے باز کو کوّا بنا کر باندھ دینا ..... زیادہ سے زیادہ وہ سپاہی بن سکتا ہے اور وہ بھی نہ جانے کب ..... جب کہ وہ بچہ نہ صرف تمہاری بلکہ پورے گاؤں کی قسمت بدل سکتا ہے۔ میں تو ایسے ہونہار بچے کے

www.taemeernews.com

پر پنکھ کاٹ دینے کی صلاح کبھی نہیں دوں گا، آگے تم جانو ....."

وہ دودھ کا گلاس جوں کا توں چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بالک رام اُن کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"وہ صاب ہیں ..... پولیس کے بہت بڑے حاکم، اُن سے ٹکرانے کی گاؤں میں کسی کی ہمّت ہے گرو جی .....؟ میں ٹھہرا ایک معمولی آدمی، دو وقت میں خود ان کی سیوا میں چلا گیا۔ کل کلاں وہ سپاہیوں کو بھیج دیں تو میں کیا کروں گا .....؟"

ماسٹر جی پھر بیٹھ گئے۔ بالک رام کی باتوں کی سچائی سے کون انکار کر سکتا تھا، وہ ایک طرح سے مصیبت میں پڑ گیا تھا اور اسے یوں چھوڑ دینا ہرگز مناسب نہیں تھا۔ اس کی بیوی اندر دروازے پر چُپ چاپ کھڑی تھی۔

ماسٹر جی دیر تک سوچتے رہے۔

ساری باتیں ان کے سامنے کھلی پڑی تھیں۔

ایس پی صاحب کی نگاہیں بالک رام کے بچّے پر پڑیں اور اُنہوں نے اُسے اپنی خدمت کے لئے منتخب کر لیا۔ بالک رام نے انہیں سچ سچ سب باتیں بتا دیں پھر بھی وہ نہیں مانے اور انہوں نے بچے کے لئے آگے نوکری وغیرہ کی بات بھی کی، ایسی صورت میں انہیں نظر انداز کرنے کا مطلب ..... صاف ان کی دشمنی مول لینا .....

ظاہر ہے کہ یہ چیز نہ صرف بھوندو اور بالک رام بلکہ پورے گاؤں کے لئے بہت مہنگی ثابت ہو سکتی تھی۔ یوں بھی گاؤں ان کی آمد کی برقی لہر سے ابھی سرشار تھا اور اسے اچانک اچھے اچھے گاؤں اور چھوٹے شہروں پر فوقیت حاصل ہو گئی تھی کیونکہ اتفاق سے صدر مقام پر ایس پی کا سرکاری بنگلہ کسی وجہ سے خالی نہیں تھا اور گاؤں کا ڈاک بنگلہ خود صاحب کو اپنے لئے پسند آیا تھا۔

بھوندو والی بات ابھی گاؤں میں پھیلی نہیں تھی ورنہ یقینی طور پر وہ اس فوقیت اور برتری کو برقرار رکھنے کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہو جاتے۔ بھوندو بیچارہ تو ایک بہت ہی معمولی قربانی کا بکرا ہوتا۔

"تم ایسا کرو بالک رام ..... ماسٹر جی نے اُسے مخاطب کیا ....." بھوندو ہر وقت تو

www.taemeernews.com

پڑھتا نہیں رہتا، خالی وقت میں وہ چلا جائے، اس کے پڑھنے کے وقت تم جا کر ان کی سیوا کردو..."
یہ حل کسی حد تک معقول تھا، دھول اور بالو سے اَٹا رہنے سے بہتر تو یہی ہے کہ صاحب کی سیوا میں رہے، کچھ سیکھ ہی لے گا.....
"ٹھیک ہے گروجی....."
اُس نے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔ ماسٹر جی نے شاید اس بات کو محسوس کرلیا اور پھر بولے۔
"بھوندو پڑھنے والا بچہ ہے بالک رام، صاحب بھی بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں، تب ہی تو اتنے بڑے حاکم بنے۔ وہ ضرور جانتے ہوں گے کہ اس بچے کے لئے اور اس کے پریوار کے لئے اس کا پڑھنا کتنا ضروری ہے......"
بالک رام کیا بولتا۔ اُس نے ماسٹر جی کے حل کو پہلے ہی قبول کرلیا تھا، وہ تو خاموش رہا لیکن اس کی بیوی جلدی سے بولی۔
"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے گروجی......"
اس نے طاق پر بھگوان کی مورتی کے پیچھے بھوندو کے چھپائے ہوئے گیند کے ٹکڑوں کو دیکھ لیا تھا اور اسی وقت اس نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اُسے نئی گیند ضرور دلا دے گی۔ فی الحال یہ مسئلہ ٹل گیا تھا، صاحب یہاں سے چلے جائیں تب وہ اسے گیند دلائے گی۔
بھوندو بھی چار اچھر پڑھ کے اب ایسا نہیں رہا تھا کہ اس سے آسانی سے کوئی بات منوا لی جائے۔ پھر اُسے بھی ابھی سے آگے کی روشنیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ وہ پڑھنے والا بچہ ضرور تھا لیکن جب پڑھنے سے فراغت پاتا تو جنگلے میں بند بلّے کی طرح اُچھل کر باہر آجاتا۔ جیسے وہ صرف کھیلنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہو۔
شام کو بالک رام کی بیوی نے اُسے بنگلے میں پکوڑے لے جانے کو کہا تو وہ صاف مکر گیا۔ اُس کے ساتھی باہر بہت بے چینی سے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔
"میں نہیں جاؤنگا...... اُنہوں نے میری گیند پھاڑ دی تھی۔..."
وہ ابھی تک اپنے نقصان عظیم کو بھلا نہیں پایا تھا۔

www.taemeernews.com

"ارے جا جلدی سے .... پکوڑے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ گیند تو تجھے میں دلا ہی دوں گی' دیکھ ..... صاب بہت بڑے حاکم ہیں ..... کہیں ناراض ہو گئے تو ......"

ماں نے اسے سمجھایا۔ بالک رام پکوڑے تلتے ہوئے اُسے غصہ بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بھوندو کی کھُلی نافرمانی اُسے ایک آنکھ نہیں بھائی۔

"باپو کیوں نہیں جاتا ______ ؟"

بھوندو نے جلتے پر تیل ڈال دیا۔ بالک رام سب کچھ چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"رہنے دو ...... یہ نہیں جائیں گے' یہ بہت بڑے لاٹ صاحب ہیں' میں ہی جاؤں گا ....."

اُس کی بیوی نے غرّا کر بیٹے کی طرف دیکھا۔ باپ کو غصہ میں دیکھ کر بھوندو ڈر گیا اور چُپ چاپ ٹرے اُٹھا کر چل دیا۔

صاحب غسل خانہ سے نکل کر تولیہ سے منہ پونچھ رہے تھے۔ بھوندو کو انہوں نے بہت دل چسپی سے دیکھا اور میز پر رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں ______ ؟ آج تمہارے باپو نہیں آئے ......؟"

"نہیں آئے ....."

بھوندو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں ______ ؟"

"پتہ نہیں ......"

وہ سمجھ گئے کہ یہ بچہ خود نہیں آیا بلکہ زبردستی بھیجا گیا ہے۔ اُنہوں نے کرسی پر بیٹھ کر پکوڑے کی پلیٹ اُس کی طرف بڑھائی۔ بھوندو کو جیسے ایک زبردست جھٹکا لگا' اس نے نہایت بے یقینی سے صاحب کی طرف دیکھا۔ کیا کرنا چاہ رہے ہیں وہ ..... ؟

"لو ......"

انہوں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھ بڑھائے لیکن جن ہاتھوں میں حوصلہ ہی نہ ہو وہ ....

دو تین بار ایسا ہی ہوا۔ صاحب دل چسپی کے ساتھ اس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے' آخر انہوں نے

www.taemeernews.com

خود ہی ایک پکوڑا اُس کے ہاتھ میں رکھ دیا جو گرتے گرتے بچا۔ لیکن اب اس کے اندر حوصلہ آگیا تھا اُس نے جلدی جلدی پکوڑا کھایا، صاحب نے پلیٹ پھر آگے بڑھائی، اس نے ایک پکوڑا پھر اُٹھالیا۔

"تمہارا نام کیا ہے ——— ؟"

اُنہوں نے بہت اپنائیت سے پوچھا۔

"بھوندو ....."

"بھوندو ..... چھی ..... یہ بھی کوئی نام ہوا، بھوندو ..... کتنا خراب لگتا ہے پُکارنے میں، بھوندو ..... آج سے تمہارا نام ..... آں ..... بھوپندر ....."

صاحب تو بالکل دوستوں کی طرح باتیں کر رہے تھے۔ بھوندو ہنسا۔

"کون کہے گا بھوپندر ..... ؟ سب تو ہمیشہ بھوندو کہتے آئے ہیں ....."

"میں کہوں گا بھوپندر ..... تم کہو گے ..... تمہارے باپو اور ماں کہیں گے ..... پھر تو سب کو کہنا ہی پڑے گا ..... ٹھیک ہے .....؟"

بھوندو نے سعادت مندی سے سر ہلادیا۔ پکوڑے کب کے ختم ہو چکے تھے، اُس نے برتن سمیٹے اور جانے کو مڑا کہ صاحب نے دو روپیہ کا ایک سکہ اُس کی طرف بڑھایا، وہ ٹھٹھک گیا۔

"رکھ لو ..... میں خوشی سے دے رہا ہوں، تم اچھے بچے ہو اس لئے ..... مگر کہنا نہیں کسی سے ....."

باہر نکلا تو وہ بھوندو تھا ہی نہیں جو ابھی کچھ دیر پہلے بادل ناخواستہ پکوڑے لے کر اندر گیا تھا۔ اس کے اندر ایک کیمیائی تبدیلی آچکی تھی۔ ساری دنیا یکسر بدل چکی تھی، اتنے بڑے کسی حاکم نے شاید اُس کی کئی پشتوں میں سے پہلی بار کسی سے اس قدر دوستانہ لہجہ میں بات کی تھی اور اگرچہ انہوں نے اُسے پھر آنے کو نہیں کہا تھا لیکن وہ خود کو ایک مضبوط، انجانی ڈوری میں بندھا ہوا محسوس کر رہا تھا جو اسے صاحب کی طرف مسلسل کھینچ رہی تھی۔ وہ نہ صرف اپنے آپ میں بدلا تھا بلکہ دوسروں کے لئے بھی۔ صاحب کے سارے سپاہی اب اسے دوسری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُس کے ساتھی جو اُس کے انتظار میں مایوس ہو چکے تھے، اسے خاموش نظروں سے دیکھتے رہے، وہ کسی سے کچھ بولے بنا بس مسکراتا ہوا دوکان پر چلا گیا اور صاحب کے دیے ہوئے سکّے کو طاق میں بچھے اخبار کے نیچے چھپا دیا۔ اُس نے

www.taemeernews.com

ماں کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ اُسے ابھی تک باہر نہیں جاتا دیکھ ماں پکاری۔

"ارے بھوندو جلئے گا نہیں کھیلنے ..... سب چھوکرے تیرا انتظار کر رہے ہیں ....."

"اب کہاں ماں ..... اب تو پڑھنے کا سمے ہو گیا اور ہاں بھوندو نہیں بھوپندر!"

اس نے بڑوں کی طرح جواب دیا۔ ماں بھونچکی رہ گئی، باپو نے بھی ہاتھ روک کر بھرپور نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"اور ہاں ..... بھوندو بھی کوئی نام ہے ..... بھوپندر ....."

بالک رام نے معنی خیز نگاہوں سے بیوی کی طرف دیکھا ..... یہ ہوتا ہے صاب لوگوں کی سنگت کا اثر .....

پڑھتے پڑھتے بھوندو اچانک اُٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں .....؟"

ماں کو بھی جیسے بریک لگ گیا، وہ تو اس وقت بس ایک ہی بار اُٹھتا تھا، کھا کر سونے ...

"صاب کو کھانا کھلانے کا سمے ہو گیا۔ خانساماں جی انتظار کر رہے ہوں گے ....."

"باپو چلے جائیں گے، تم پڑھو ....."

"صاب نے کہا تھا ....."

اُس نے صاف جھوٹ بولنے کی کوشش کی اور جواب کا انتظار کیے بغیر بنگلے کی طرف بھاگ گیا۔

'اتنا جلدی اس پر جادو چل گیا .....!'

ماں بڑبڑائی۔ بالک رام کو بھی اُس کا یہ انداز عجیب لگا، لیکن وہ چپ رہا۔

صاحب مزے لے لے کر کھاتے بھی رہے اور اس سے باتیں بھی کرتے رہے، بالکل دوستوں کی طرح ــــ

"..... جانتے ہو بھوپندر ..... ہمالیہ کی ترائی میں میرا گھر ہے، چاروں طرف برف سے ڈھکے پہاڑ، پھلوں اور پھولوں کے بے شمار درخت، جھرنے ..... بہت سندر جگہ ہے ..... میں بھی اپنے ماں باپ کا اکلوتا ہوں بالکل تمہاری طرح ..... کوئی نہیں ہے ان کا میرے سوا، میں نوکری پر چلا

www.taemeernews.com

آتا ہوں تو کوئی انہیں دیکھنے والا نہیں ہوتا ....."

"نوکر چاکر .....؟"

بھوندو نے بڑوں کے انداز میں پوچھنے کی کوشش کی۔

"کہاں ملتا ہے ایماندار آدمی ..... ؟ مجھے تو ایک ایسا آدمی چاہیئے جو میرے گھر کے ایک فرد کی طرح رہے، بیٹے کی طرح ان کی سیوا کرے اور ....."

صاحب اتنا کہہ کر چُپ ہو گئے اور سر جھکائے کھاتے رہے۔ بھوندو کو پتہ نہیں کیا سوجھا کہ اُس نے اچانک دریافت کیا۔

"وہاں اسکول ہے .....؟"

"اسکول ـــ؟ ایسے ایسے اسکول ہیں وہاں کہ سارے دیش کے بڑے بڑے لوگ اپنے بچوں کو وہاں بھیجتے ہیں۔ اب وہوا ایسی ہے بھوپندر کہ ابھی پیٹ بھر کے کھاؤ اور دو گلاس جھرنے کا پانی پی لو۔ بس پھر بھوک ..... اور پھل اتنے کہ جتنا کھاؤ، کبھی ختم نہ ہوں ..... یہاں بازار سے خریدنا پڑتا ہے، وہاں درخت سے توڑنے کی دیر ہے ....."

پھل کے نام پر تو بھوندو نے شاید نارنگی، امرود، آم اور کیلے ہی کھائے تھے اور وہ بھی بڑے میاں کے باغ سے چوری کر کے۔ دو بار بیمار پڑا تھا تو ایک بار بابو نے آدھ کیلو سیب لا دیا تھا جسے اس نے تین چار روز میں ختم کیا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو بھوپندر .....؟"

صاحب ہاتھ دھو کر کرسی پر آ بیٹھے تھے۔

"کچھ نہیں صاب ....."

وہ جیسے چونک اُٹھا اور برتن سمیٹنے لگا۔

کہاں تو اب تک یہ تھا کہ ماں دوڑ دوڑ کر اُسے کھیل کے میدان سے پکڑ کر لاتی، کہاں اب یہ ہو گیا کہ وہ خالی وقتوں میں صاحب کی راہ دیکھتا رہتا اور جیسے ہی اُن کی گاڑی بنگلے میں داخل ہوتی، وہ دوڑ کر وہاں پہنچ جاتا اور پھر وہاں سے اسی وقت لوٹتا جب صاحب اُسے جانے کو کہہ دیتے۔ اس کی پڑھائی متاثر ہونے لگی۔ ماں کا سنکلپ تھا کہ ہر حال میں اُسے دو گھنٹے پڑھنا ہے، تب جا کر اسے کھانا

www.taemeernews.com

ملتا اور تب سونے کی اجازت ..... پھر بھی یہ سب بہت سویرے ہو جاتے ۔ اب یہ حال کہ دیر ہو، سویر ہو، اُسے دو گھنٹے پڑھائی کے تو پورے کرنے ہی پڑتے، یہ اور بات کہ اِن دو گھنٹوں میں نیند غالب رہتی، وہ اونگھتا رہتا اور دو گھنٹے پورے ہو جاتے ۔

یہ صورت حال نہ صرف ماں کے لئے بلکہ بالک رام کے لئے بھی تشویش ناک تھی ۔ اگرچہ صاحب نے اسے جو جھنجھنا بجا کر سنایا تھا اس سے ایک گونہ اطمینان اُسے ضرور نصیب تھا پھر بھی اپنی چیز پر اختیار اچانک ختم ہونے لگے تو فکر مند ہونا لازمی .....

"میں تو پہلے ہی جانتی تھی کہ ایک لگا بچہ ہے، سیوا میں لگ جائے گا تو پڑھے گا کیا؟"

"میں نے یہ کب کہا تھا کہ بس وہاں لگے رہو، لیکن اصل میں یہ تو چٹورا ہو گیا ہے، وہاں اچھے اچھے کھانے ملتے ہوں گے، بس اسی لالچ میں وہاں سٹا ہوا ہے ....."

"کتنی مصیبت ہے ..... گاؤں کا کوئی آدمی رہتا، برابری کا کوئی ہوتا تو کچھ کہہ بھی سکتے تھے، اتنے بڑے حاکم سے کیا کہیں گے ۔ اُن کی جو مرضی ہوگی وہ کرتے رہیں گے، ہم کچھ بول ہی نہیں سکتے ....."

بالک رام کی بیوی بہت بے چارگی سے بولی ۔ پڑھنے کی جوت جب سے اس کے اندر جلی تھی، وہ کچھ زیادہ ہی جہاں دیدہ ہو گئی تھی ۔

"آخر یہ ساتھی سنگت کے ساتھ کھیلنے کیوں نہیں جاتا ــــ؟"

بالک رام بھی فکر مند تھا ۔

"کہتا ہے من نہیں لگتا ۔ میں نے اسے ایک روپے چھوڑ دو روپے کی گیند منگوا دی، وہ اس نے پتہ نہیں کہاں بھلا دی ..... دے دیا ہوگا کسی ساتھی کو ....."

ماسٹر جی سامنے سے گزر رہے تھے، دونوں کو دیکھا تو ٹھہر گئے ۔

"بھوندو راجہ آج کل پڑھنے میں من نہیں لگا رہا ہے بالک رام .... ذرا دھیان دینا ....

اس کی بیوی نے کچھ کہنا چاہا کہ بالک رام نے اس کی بات کاٹ دی ۔

"پڑھنے کے لئے بیٹھتا تو ہے گرو جی، پر من نہیں لگاتا، آپ کہہ رہے ہیں تو آج سے اس کی ماں زیادہ دھیان دے گی ...."

www.taemeernews.com

لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ دوسرے دن ان کی نیند ٹوٹی تو بابو بھوپندر عرف بھوندو راجہ لاپتہ تھے ــــــــ

یہ وقت ماسٹر جی کے ہاں جانے کا تھا۔ ماں اسے جلدی جلدی تیار کراتی، کپڑے، بستہ، جوتے ..... سبھی چیزیں رکھی تھیں، ان کا دل بیٹھنے لگا۔ بالک رام کو اور کچھ نہیں سوجھا تو وہ سیدھا بنگلے کی طرف بھاگا، وہاں نہ جیپ تھی، نہ سپاہی، خانساماں سیڑھیوں پر جھاڑو لگا رہا تھا، اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"بھوندو کو کہیں دیکھا ہے خانساماں جی .....؟"

"بھوندو .....؟" خانساماں نے ہاتھ روک دیا ــــــ

"کیا بات ہے بالک رام .....؟ ایک تو تم بھورے آئے بھی نہیں اور اب بھوندو کو پوچھ رہے ہو ..... بھوندو تو گیا صاب کے ساتھ گاڑی میں ....."

"کیا .....؟؟ بھوندو صاب کے ساتھ .....؟"

وہ سیڑھیوں پر دھم سے گر گیا۔

"ہاں بھائی ..... تو وہ تم سے پوچھ کر نہیں گیا .....؟ میں تو یہی سمجھ رہا تھا ــــ ــــــ ادھر صاب نے اُسے سر بھی بہت چڑھا دیا تھا، ساتھ کھانا، ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، کہاں راجہ بھوج کہاں گنگوا تیلی ..... میں تو یہی جانتا تھا کہ سب تمہاری مرضی سے ہو رہا ہے ....."

خانساماں اُس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

"نہیں خانساماں جی ....." بالک رام بچوں کی طرح بلکنے لگا ....."کیا کہوں گا اس کی ماں سے جا کر ..... ایک ہی بچّہ ہے، وہ سچ ہی کہتی تھی ....."

"اب رونے دھونے سے کیا فائدہ ــــ صاب ایک ہی ہفتہ کے لئے تو گئے ہیں، جب آئیں گے تو بھوندو بھی ان کے ساتھ آ ہی جائے گا ....."

خانساماں نے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی، اتنے میں بالک رام کی بیوی بھی بدحواس حالت میں وہاں آ پہنچی۔ صورت حال دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئی اور پچھاڑیں کھانے لگی۔

www.taemeernews.com

"میرا بیٹا ..... میرا بچّہ ..... اُسے زبردستی اُٹھا کر لے گئے، کوئی میرا بچّہ مجھے واپس دلادے ..... ہے بھگوان ....."

خانساماں نے ہمدردانہ انداز میں اُسے ڈانٹا۔

"کیوں بین کر رہی ہے ..... چھٹی ہی پر تو گئے ہیں صاب، کوئی بدلی تو نہیں ہوگئی انکی اور پھر وہ حاکم ہیں، ان کے ساتھ گیا ہے تو اچھا ہی رہے گا ...."

خانساماں کی ڈانٹ سے وہ کسی حد تک شانت ہوئے، لیکن اُس کی بیوی کے آنسو نہیں رُک رہے تھے۔ وہ بلکتی ہوئی بولی۔

"ہمارا تو ایک ہی بچہ ہے نا خانساماں جی ..... اور ہمارا ہے ہی کون، اسی کو دیکھ کر تو ہم جیتے تھے، وہ تو بنا پوچھے کہیں جاتا ہی نہیں تھا، اتنی دور کیسے چلا گیا ....."

"دن رات گھسا رہتا تھا تو چنتا نہیں ہوئی ..... صاب تو یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ تم لوگوں سے پوچھ کر گیا ہے ....."

خانساماں نے اُن کی سرزنش کی۔

"کیسے روک دیتے ..... صاب اسے بہت ماننے لگے تھے اور پھر آپ نے بھی تو کہا تھا کہ بھوندو کو صاب کے پاس ....."

بالک رام نے بسورتے ہوئے کہنے کی کوشش کی۔

"تو کیا کہا تھا میں نے کہ بھوندو تم سے پوچھے بنا بھاگ جائے۔ میں نے تو اسی کی بھلائی کی بات کی تھی ..... خیر جو ہوا سو ہوا، اب اتنی چنتا کی ضرورت نہیں، صاب کے ساتھ رہے گا تو آدمی ہی بنے گا ....."

خانساماں کی باتوں سے اتنا ضرور ہوا کہ ابھی اچانک جو پہاڑ، ان کے سر پر آگرا تھا وہ کسی حد تک ہلکا ہوا اور وہ اسی لمحے سے صاحب کی واپسی کا بہت بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔

بھوندو ماسٹر جی کے ہاں نہیں پہنچا تو وہ بھی فکرمند ہوئے اور پاٹھ شالہ کے بعد دوکان پر آگئے، ساری رام کہانی جان کر انہوں نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"میں تو پہلے ہی ڈر رہا تھا کہ تم چیونٹی پہاڑ سے کہاں مقابلہ کر سکو گے، انہوں نے یہ بہت غلط کیا

www.taemeernews.com

کہ تم سے پوچھے بنا تمہارے بچّے کو اٹھا کر لے گئے، یہ تو ایک طرح سے صاف اَپ ہرن ہے اور اس کے لئے اُن پر کیس بھی ہو سکتا ہے ....."

اتنی بڑی بات پر وہ ماسٹر جی کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ یہ بات اُنہیں کچھ اٹ پٹی بھی لگی۔

"کیس .....؟"

"ہاں ہاں بھئی ..... قانون کے سامنے تم بالک رام اور ایس پی مسٹر ناگپال دونوں برابر ہیں اور اگر وہ پولیس کے حاکم ہو کر بھی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو قانون کی پناہ لینے سے تمہیں کون روک سکتا ہے .....؟"

ماسٹر جی نے اُنہیں سپاٹ لہجے میں سمجھایا۔ بالک رام نے جلدی سے چاروں طرف دیکھا شکر ہے کہ وہاں کوئی نہیں تھا، ورنہ ماسٹر جی کی بات اتنی وزنی تھی کہ اس کی خستہ حال دوکان اور جھونپڑی بلکہ گاؤں کے سارے مکانات اس کے وزن سے ڈھ سکتے تھے۔

"صاب چھٹی پر گئے ہیں ایک ہفتہ کی ..... وہ بھوندو کو ضرور ساتھ لے کر آئیں گے اور پھر انہیں کیا پتہ کہ اس نے ہمیں جانکاری نہیں دی ....."

بالک رام نے وزن کو کچھ ہلکا کرنے کی لاشعوری کوشش کی۔

"اور اگر نہ لائیں تو تم اُن کا کیا بگاڑ لو گے .....؟"

ماسٹر جی نے اپنی بوسیدہ عینک کے اوپر سے دیکھا۔ بالک رام نے پہلے ماسٹر جی کو دیکھا، پھر اپنی بیوی کو ..... اُس کی بیوی نے بھی اُسے دیکھا، پھر ماسٹر جی کو ..... ایک عجیب پراسراری خاموشی ان کے درمیان آکر بیٹھ گئی۔

ان کی سب سے بڑی اُمید اب خانساماں بن گیا جس کے پاس دونوں کا سارا وقت گزرنے لگا۔ دوکان جیسے تیسے چل رہی تھی۔ بھوندو کے جانے کی بات گاؤں والوں کو معلوم ہو چکی تھی اور ان میں دو نقطہ نظر پیدا ہو گئے تھے۔ ایک بھوندو پر رشک کر رہا تھا کہ اتنا چھوٹا سا چھوکرا کس مزے سے ایس پی صاحب کی گاڑی پر ان کے ساتھ بیٹھ کر گیا ہے اور ہر وقت ان کے ساتھ رہے گا۔ دوسرا اس کے لئے کڑھ رہا تھا کہ گاؤں کے ایک غریب کے اکلوتے بیٹے کو اس کی مرضی کے خلاف لے جایا گیا اور یہ حرکت قانون کے رکھوالے نے کی ہے۔

www.taemeernews.com

"خانساماں بھائی ..... اتنے بڑے حاکم کو بھوند کو یوں لے جانے کی ضرورت کیوں پڑی آخر..... ؟ اُنہیں کمی تھی سیوکوں کی .....؟"

بالک رام نے بہت بے چارگی سے پوچھا۔ خانساماں ہنسا اور کھینی کو ہتھیلی پر مسلتے ہوئے بولا۔

"تم بھی رہ گئے بالک رام مورکھ کے مورکھ..... ارے آج کے زمانے میں کوئی ملتا ہے اتنی آسانی سے۔ ان کے بوڑھے ماں باپ ہیں، مال دولت پیسے بھی ہوں گے آخر پولیس کے اتنے بڑے حاکم ہیں۔ ان کے لئے تو اچھا یہی ہے نا کہ ایک چھوٹا معصوم بچہ رکھ لیا جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ بچوں سے مزدوری نہیں کرا سکتے اسی لئے انہوں نے یہاں آتے ہی ....."

بالک رام نے خانساماں کو گھورا۔

"تو تمہیں سب بات معلوم تھی خانساماں جی .....؟"

"اسی لئے کہتا ہوں نا کہ رہ گئے تم ..... ارے سب باتیں بتائی نہیں جاتیں سمجھی جاتی ہیں، میں تو پہلے ہی دن سمجھ گیا تھا، تم نہیں سمجھے تو میں کیا کروں .....؟"

خانساماں لاپروائی سے بولا۔ بالک رام نے بے بسی سے اس کے پاؤں پکڑ لئے۔

"تو اب کیا ہوگا خانساماں بھائی ..... بھوند و لوٹ کر آئے گا نا.....؟"

"صاب کو تو آنا ہی ہے اور جب بھوند و تم سے بنا پوچھے گیا ہے تو اسے بھی آنا چاہئے۔"

"کچھ کرو خانساماں بھائی ..... کسی طرح میرے بھوند و کو واپس منگوا دو، اس کی ماں کو تو چُپ سی لگ گئی ہے، اس کی گیند کے ٹکڑوں کو ہر دم گھورتی رہتی ہے، کہیں وہ مر ہی نہیں جائے ....."

بالک رام گھگھیایا۔

"صاب کے آنے ہی پر کچھ ہو سکتا ہے نا جی ....."

صاحب کے آنے سے بہت پہلے بلکہ صبح ہی سے بالک رام اور اس کی بیوی بنگلے میں منڈلانے لگے تھے۔ خانساماں نے بیگاری میں ان سے بہت کام بھی کروائے۔

اب وہ دونوں سیڑھیوں پر بیٹھے بے تاب نگاہوں سے گیٹ کی طرف یوں دیکھ رہے تھے

www.taemeernews.com

جیسے وہاں سے صاب یا بھوندو نہیں بلکہ ایک چلتا پھرتا چمکتا ہوا سورج برآمد ہوگا۔

صاحب کی نئی چمچماتی، پیتل کی پٹیوں سے سجی جیپ اندر داخل ہوئی تو سامنے کھڑی سورج کی کرنیں اس کی چمچماہٹ سے یوں ہم آغوش ہوئیں کہ نہ صرف بالک رام اور اس کی بیوی بلکہ خانساماں کی آنکھیں بھی چندھیا گئیں۔

جیپ شان کے ساتھ پورٹیکو میں آکر رُکی اور صاحب اُچھل کر نیچے اُترے، پھر دَن دَن سارے سپاہی ..... بالک رام اور اس کی بیوی کی نگاہیں بے تابی سے بھوندو کو ڈھونڈتی رہیں صاحب نے بالک رام کو پہچان لیا اور اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہلکے سے مسکرائے۔

"کہو بھائی ..... کیا حال ہے ..... ؟"

"کُشل ہے سرکار، بھوندو ..... ؟"

بالک رام کے منہ سے بے ساختہ نکلا، صاحب حیران ہوئے۔

"بھوندو ..... نہیں بھوپندر ..... وہ تو بہت مزے میں ہے، تمہیں تو یاد بھی نہیں کرتا ....."

بالک رام اور اس کی بیوی کے چہروں پر بے بسی اور مایوسی کے سیاہ بادل چھا گئے، اس کی بیوی تو سسکنے لگی۔ یہ سچویشن شاید ایس پی صاحب کی سمجھ میں نہیں آئی اور اُنہوں نے بالک رام کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

اُنہوں نے اپنا کوٹ کھونٹی میں لٹکاتے ہوئے پوچھا۔

"تم لوگ پریشان کیوں ہو ..... ؟ میں سمجھا نہیں ..... ؟"

"صاب، بھوندو چلا گیا ہے نا اسی لئے ..... ایک ہی سنتان ہے نا سرکار اور پھر اس کی پڑھائی ....."

بالک رام نے خوشامدانہ لہجے میں اٹک اٹک کر کہا۔ صاحب کرسی پر بیٹھ گئے تھے، انہوں نے بالک رام کی طرف غور سے دیکھا۔

"بھوپندر تم سے پوچھ کر نہیں گیا ..... ؟"

"نہیں صاب ..... بالکل نہیں ....."

www.taemeernews.com

"تو یہ غلطی اس کی ہے نا، میری تو نہیں ....."

اُسے پھر ایک دھکا لگا، وہ جیسے لڑکھڑا سا گیا۔

"ہمیں تو کچھ پتہ ہی نہیں ..... ہمیں پتہ ہوتا تو ....."

وہ لگ بھگ بلکنے لگا۔

ایس پی صاحب اُٹھ کر ٹہلنے لگے، پھر کچھ سوچ کر بولے۔

"خیر ..... اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا ..... میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ تم سے ..... اور تمہاری اجازت کے بغیر میں اُسے لے بھی کیسے جا سکتا تھا، لیکن بھوپندر آدمی بن جائے گا بالک رام، اس بات کو مان کر چلو۔ وہ میرے گھر میں ایک فیملی ممبر کی طرح رہ رہا ہے، جو کھاؤ، جو پیو ..... میں جلد ہی وہاں کے ایک اچھے اسکول میں اس کا نام بھی لکھا دوں گا اور پھر چھٹیوں میں تو وہ تمہارے پاس آیا ہی کرے گا، میں بھی تو برابر آتا جاتا رہوں گا، آخر وہ میرا گھر ہے، کبھی میرے ساتھ بھی آ سکتا ہے ....."

بالک رام نہایت بے چارگی اور عاجزی سے ٹکر ٹکر ان کا منہ دیکھتا رہا ..... ویران آنکھیں، سنسان چہرہ ..... اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اِن خوش آئند باتوں پر مسرت کا اظہار کرے یا ....

"کیوں بھائی، کیا سوچ رہے ہو ــــ؟ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ــــ؟ اگر وہ تمہارا بیٹا ہے تو میرا بھی ہے ..... جب جی گھبرائے اُسے دیکھ آنا، کوئی منع تھوڑی ہے تمہارے لئے ....."

ایس پی صاحب نے اُسے پھر دلاسہ دلانے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے سرکار ..... لیکن ....."

بالک رام نے کچھ کہنا چاہا لیکن حلق ہی سے جیسے کسی نے کچھ اُچک لیا اور وہ مُڑے مُڑے قدموں سے واپس مڑا۔ باہر اُس کی بیوی بے تابانہ ٹہل رہی تھی، وہ اس کی طرف دوڑی، وہ سیدھا کچن میں چلا گیا جہاں خانساماں چائے تیار کر چکا تھا، وہاں جا کر وہ دھم سے زمین پر گر گیا اور گھٹنے کو آنکھوں سے لگا کر سسکنے لگا۔ اُس کی بیوی بھی جیسے سب کچھ سمجھ کر اس کا ساتھ دینے لگی۔ خانساماں نے پیالیوں میں چینی گھولتے ہوئے انہیں ڈانٹا۔

"کیا کر رہے ہو تم لوگ ــــ؟ ہوش میں تو ہو ..... تم لوگ تو یوں رو رہے ہو جیسے بھگوان نہ کرے ....."

www.taemeernews.com

"میں لُٹ گیا خانساماں بھائی ..... میرے بچّے کو اُنہوں نے رکھ لیا اور وہ اُسے نہیں لائیں گے ....."

"کیوں نہیں لائیں گے .....؟ دوسرے کے بچّے کو زبردستی رکھ لیں گے .....؟ اب بھوندو ان کے پاس ہے تو ان کی بھی کچھ ذمہ داری ہے، زیادہ چنتا مت کرو اور یہ چائے صاب کے پاس لے جاؤ، بھگوان جو کرتا ہے، اچھا کرتا ہے ....."

بالک رام کا جی چاہا کہ گرم گرم چائے کی ٹرے وہ صاحب کے منہ پر دے مارے، لیکن پھر فوراً ہی خیال آیا کہ وہ تو وہ سانپ ہیں جو اس کے خزانے پر بیٹھے ہیں۔ جب تک وہ خزانہ حاصل نہیں کر لیتا تب تک تو اُسے سانپ کو دودھ پلانا ہی ہوگا۔ اُس نے اپنے آنسو پونچھے اور ٹرے لے کر چلا گیا۔ اس کی بیوی ویران نظروں سے خانساماں، کچن کے در و دیوار اور برتنوں کو گھورے جا رہی تھی۔ خانساماں اُس کے پاس آ بیٹھا۔

"تمہارے صدمے کو میں سمجھتا ہوں لیکن اس طرح کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، وہ پولیس کے اتنے بڑے حاکم ہیں کہ تم چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکو گے۔ اب بھوندو اُن کے قبضے میں چلا گیا ہے تو چُپ رہنے ہی میں فائدہ ہے اور پھر وہ کوئی نقصان میں نہیں رہے گا ....."

ہمدردی بھرے بول سن کر وہ کسی قدر پرسکون ہوئی اور اپنے آنسوؤں کے ابال کو روکتے ہوئے بولی۔

"بھوندو کے بنا ہم کیسے جئیں گے خانساماں بھائی ..... اس کے باپو کے ہاتھ تو جیسے رُک گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ بھوندو کو دیکھ دیکھ کے سب کام کرتے تھے، اب تو جیسے ہمارے پاس کوئی کام ہی نہیں ..... اسی کے لئے تو ہم سب کچھ کر رہے تھے، اب دو آدمیوں کے لئے کیا... ... کچھ بھی کھالیں گے ....."

"نہیں ..... ایسا نہیں ہونا چاہئے ـــــ تمہارا بھوندو اسی سنسار میں ہے نا، خوش ہے، اچھا سے اچھا کھا رہا ہے، پہن رہا ہے، بڑے آدمیوں کے ساتھ ہے، تمہیں تو اور جوش و خروش سے کام کرنا چاہئے، آخر تمہاری محنت اُسی کے تو کام آئے گی، کسی دوسرے کے تو نہیں ....."

خانساماں نے مضبوط لہجہ میں اُسے سمجھایا۔ بالک رام چائے دے کر واپس آ چکا تھا اور

www.taemeernews.com

خانساماں کی باتیں اس نے بھی سن لی تھیں۔ اتنی ساری باتیں ان دونوں کے سامنے ایک ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں کہ اُن کی سمجھ کچھ کام ہی نہیں کر رہی تھی۔

بھوندو کو کب چھٹی ہوگی .....؟

صاب وہاں پھر کب جائیں گے .....؟

وہ لوگ جانا چاہیں تو وہاں کیسے پہنچیں گے .....؟

صاب کے گھر کا پتہ .....؟

بھوندو سے چٹھی پتری .....؟

وغیرہ وغیرہ۔

صاحب اور ان کے سپاہیوں کی آمد کے بعد خانساماں کی مصروفیت بہت بڑھ گئی تھی، کبھی صاحب اسے پکارتے، کبھی سپاہی لوگ، وہ دوڑتے دوڑتے پریشان تھا۔

"دیکھ رہے ہو بالک رام ..... کیا حالت بنا دی ہے میری، ایک بھوندو تھا سو اُسے بھی اپنے گھر پہنچا دیا، اب دوڑتے رہو ہر دم ..... ارے بھائی کھانے ناشتے کے وقت ضرور آجایا کرو، ابھی صاب کی سیوا میں لگے رہنا ضروری بھی ہے ....."

بالک رام نے کیا سُنا اور کیا نہیں سُنا۔ اُس کی ساری اُمیدیں تو اب صرف صاحب پر لگی تھیں جن کی مرضی سے ہی اب وہ اپنے بیٹے کا منہ دیکھ سکتا تھا، وہ ایک مشین بن گیا تھا جس کا کام دوسروں کے اشارے پر چلنا تھا۔ خانساماں اس کی امیدوں کا پہلا پڑاؤ تھا ..... جس کڑی میں وہ بندھ گیا تھا، اُس کی پہلی کڑی .....

دوکان جیسے تیسے چلتی رہی کیوں کہ پیٹ کا معاملہ بڑا عجیب ہوتا ہے، زیادہ تر اس کی بیوی ہی اسے سنبھالتی۔ اس کے اندر اچانک ایک دوسری قسم کی توانائی پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا اکلوتا بچہ اس سے بہت دور کر دیا گیا تھا اور اب اپنے پتی کو وہ کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھی ..... رہا بالک رام تو اُسے دن کا ہوش تھا نہ رات کا چین، وہ بس صاحب کی سیوا میں لگا رہتا۔ کس وقت آتے ہیں، کس وقت جاتے ہیں، کس چیز کی اُنہیں کس وقت ضرورت ہے، ان باتوں پر اس کا دھیان لگا رہتا۔ صاحب سے اس کا ایک نامعلوم سا رشتہ قائم ہو چکا تھا، پر اس کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ بھوندو کے آنے

www.taemeernews.com

یا اُس کی خیریت کے بارے میں کچھ دریافت کر سکے، صاحب ہی کبھی کبھار اسے بتا دیتے کہ وہ اچھا ہے اور اسکول میں پڑھ رہا ہے۔ خانساماں نے بھی اسے تاکید کی تھی کہ اس بات کو نہیں چھیڑے، بڑے آدمی ہیں نہ جانے کب کیسا مزاج رہے ..... آخر بچّہ تو اس کا انہیں کے قبضے میں ہے .....

جب دیر تک پہاڑ اپنی جگہ پر جما رہا اور کہیں سے برف نہیں پگھلی تو اس کی بیوی اندر سے بے چین ہونے لگی۔ پس انداز کئے ہوئے اور کچھ چھوٹے موٹے زیورات بیچ کر ان کے پاس اتنے پیسے ہو گئے تھے کہ وہ بھوندو کو دیکھ کر آ سکتے تھے۔ اس نے بالک رام سے کہا کہ وہ صاب سے ان کے گھر کا پتہ پوچھے۔ بالک رام کے لئے یہ معاملہ بہت کٹھن تھا، کچھ حالات نے اور کچھ خانساماں نے اسے اس قدر ڈرا دیا تھا کہ ..... صاب انکار بھی تو کر سکتے تھے، ان سے اس کا کیا مقابلہ، لیکن بھوندو کی ماں .....

جس طاق پر بھگوان کی مورتی رکھی تھی وہیں پھول کی پتیوں کے ساتھ بھوندو کی گیند کے ٹکڑے بھی پڑے تھے۔ بھوندو کو اس نے جو دو روپے کی گیند منگوا دی تھی اور جسے وہ اپنی کتابوں کے بستے میں چھوڑ گیا تھا، اُسے یہ توقیر حاصل نہیں ہوئی تھی۔ بھوندو کی ماں ارچنا کے سمے ان ٹکڑوں کو اپنی آنکھوں سے لگا لیتی اور اس کے آنسوؤں کے قطرے اُن میں جذب ہو جاتے۔ نہ جانے کتنے قطرے اُن ٹکڑوں میں جذب ہو چکے تھے اور معمولی ربر کے یہ ٹکڑے اپنا اصلی رنگ کھو کر دھبوں کی ایک دوسری ہی دنیا میں کھو چکے تھے۔

لیکن بیوی کے مسلسل اصرار اور اپنے اندر سے بار بار اُٹھنے والی آواز سے پریشان ہو کر آخر اُس نے پوچھ ہی لیا۔

انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور بہت رُکھائی سے بولے۔

"کیوں ——— ؟ اس وقت اچانک اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی ..... ؟"

"بھوندو کی ماں ..... سرکار، بھوندو کی ماں کہہ رہی تھی کہ ایک نظر اسے دیکھ آتے ....."

بالک رام بہت لجاجت سے بولا۔ انہوں نے ایک 'ہوں ..... ' کی اور سوچ میں پڑ گئے۔ بالک رام سانس روکے انہیں دیکھتا رہا، وہ سوچتے رہے، پھر بالک رام کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔

www.taemeernews.com

"ابھی تو وہاں گیا ہی ہے، دن ہی کتنے ہوئے ہیں، اسکول میں اس کا نام لکھا دیا گیا ہے، ابھی اُسے وہاں مَن لگانے دو، میں تمہیں اس کے بارے میں جانکاری دیتا ہی رہتا ہوں ....."

وہی ہوا جس کا ڈر تھا، بالک رام ابھی تک اسی بات سے ڈرتا رہا تھا اور اسی لئے اپنی ساری باتوں کو دبا کر، اپنے سارے جذبات پر قابو پا کے وہ ان کی سبھا میں لگا ہوا تھا۔ وہ اُن کی باتوں کا جواب ہی نہیں دے سکا اور ماتھے کا پسینہ پونچھتا ہوا خانساماں کے پاس جا بیٹھا۔

"تم لوگوں کو بھی کھلکھن ہو جاتی ہے نا ..... میں تم سے بار بار اسی لئے کہہ رہا تھا، پتہ تو اُن کا کوئی سپاہی بھی بتا سکتا ہے لیکن کوئی بتائے گا نہیں ..... جب ان کی مرضی ہوگی تب ہی تم بھوندو کو دیکھ سکو گے ....."

خانساماں نے حقیقت پسندی سے کام لیا حالانکہ وہ تو اس بات کو سمجھ ہی رہا تھا، لیکن بھوندو کی ماں .....

اُس نے جب یہ بات سنی تو وہ پچھاڑیں کھانے لگی اور اس طرح بَین کرنے لگی جیسے .....

بالک رام کو اور کچھ نہیں سوجھا تو وہ جلدی سے ماسٹر جی کو بُلا لایا، اُنہیں دیکھ کر وہ کچھ پُرسکون ہوئی اور سسکتی ہوئی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"میں تو پہلے ہی جانتا تھا بھائی ....." ماسٹر جی نے دھوتی کے پلّو سے اپنا پسینہ پونچھا ——— "تم بلاقصور اس چکر میں پھنس گئے ....."

"تو کیا ہم بھوندو کو کبھی نہیں دیکھ سکیں گے ماسٹر جی .....؟"

بالک رام کی بیوی کی سسکیاں اور تیز ہو گئیں۔

"اس طرح کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ..... میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ بھوندو کا ایک طرح آپ ہرن ہوا ہے ..... قانون کا دروازہ تو کھُلا ہوا ہے لیکن تم اتنے بڑے آدمی سے لڑ سکو گے .....؟"

ماسٹر جی نے شاید یہ سوال اپنے آپ ہی سے پوچھا تھا کیونکہ اس کے بعد ان کا سر خود بخود جُھک گیا تھا۔

"کچھ کیجئے گرو جی ..... کوئی حل نکالئے، ہم تو گھٹ گھٹ کے مر جائیں گے،

www.taemeernews.com

بھوندو کے سوا ہمارا کوئی نہیں ....."

بھوندو کی ماں نے ماسٹر جی کے پیر پکڑ لئے۔ بالک رام گمچھے سے اپنی آنکھیں خشک کرتا رہا۔ ماسٹر جی کا دل بھی بھر آیا، کئی منٹ تک وہ گم صم بیٹھے رہے، پھر دھیرے سے بولے۔

"سمے کا انتظار کرنا ہوگا بالک رام، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ....."

"کب تک انتظار کریں گرو جی ..... ؟ اب تو صبر بھی نہیں ہوتا ....."

بھوندو کی ماں مسلسل بلک رہی تھی۔

"تو کیا کرنا ہے ..... انتظار تو کرنا ہی ہے، یہی سوچ کر چپ رہو کہ تمہارا بچہ ٹھیک ہے، وہ جہاں رہے، اس کی پڑھائی جاری رہنی چاہیے ....."

ماسٹر جی نے بھی اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔

انتظار ..... انتظار ..... انتظار .....

بالک رام اور اس کی بیوی کا انتظار ختم ہی ہونے میں نہ آتا تھا، صاحب کبھی کبھی بھوندو کی خیریت بتا دیتے۔ اس درمیان وہ کئی بار اپنے گھر بھی ہو آئے لیکن بھوندو کو آنا تھا نہ آیا، بالک رام نے دو ایک بار سپاہیوں سے ان کے گھر کا پتہ جاننے کی کوشش کی لیکن ان کے لبوں پر اتنا سخت پہرہ لگا تھا کہ کوئی ہلنے کو بھی تیار نہیں ہوا۔

ہاتھوں کے طوطے کیسے اُڑتے ہیں، بالک رام کو یہ پتہ اُس دن چلا جب اُسے اطلاع ملی کہ ایس پی صاحب کا ٹرانسفر ہو گیا اور وہ راتوں رات بہت دور چلے گئے .....

پیروں کے نیچے کی زمین کھسک گئی یا سر پر آسمان گر پڑا .....

اُس کے ہاتھ پاؤں لڑکھڑا گئے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

اُس کے گھر میں ماتم کا منظر تھا۔

اِدھر سے خانساماں دوڑا، اُدھر سے ماسٹر جی لپکے۔

"یہ اچھا نہیں ہوا ....."

خانساماں کو اتنے بڑے حاکم کی یہ حرکت بالکل پسند نہیں آئی۔

"یہ صاف مجرمانہ حرکت ہے ..... لیکن کس کو دہائی دیا جائے جب قانون کا رکھوالا ہی ....."

www.taemeernews.com

ماسٹر جی کے اندیشے صحیح ثابت ہوئے۔ ٹرانسفر والی بات ان کے ذہن میں چمکی تھی لیکن اُنہوں نے کچھ مصلحتوں سے اس وقت اس کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"ایک ترکیب ہے....."

خانساماں کو ایک بات سوجھی۔

"ان کی جگہ پر جو نئے صاحب آئیں گے، اُن سے پتہ معلوم ہو سکتا ہے...."

"لیکن اگر پہلے والے صاحب نے اس کے بعد بھی بھونددے نہیں ملنے دیا تو.....؟"

ماسٹر جی کے ذہن میں پھر ایک خدشے نے جنم لیا۔

"میں ان کے پیر پکڑ لوں گا..... اُنہیں کسی طرح راضی کر لوں گا، آخر اتنے دنوں سیوا کی ہے اُن کی....."

خانساماں نے اپنے عزم کا اظہار کیا۔ سب کی آنکھوں میں اس کے لئے عقیدت اور ممنونیت کے جذبات اُبھر آئے۔

لیکن 'نئے صاب' کا انتظار بھی انتظار ہی رہا۔ خانساماں روز بنگلے کی صفائی کرتا، گوشت مچھلی کا انتظام کرتا، پھولوں میں پانی دیتا، بستر کی شکنیں درست کرتا جن پر کبھی کبھار یونہی شکنیں پیدا ہو جاتیں، بالک رام بھی نامعلوم اُمیدوں کے سہارے اس کی مدد کرتا رہتا لیکن انتظار.....

وہ تو یونہی انتظار کرتے رہ جاتے کہ ضلع ہیڈ کوارٹر سے ایک سپاہی پُرانے صاحب کے کچھ کاغذات لینے آیا۔ اس نے اطلاع دی کہ نئے صاحب کو شہر ہی میں بنگلہ مل گیا ہے اور وہ ادھر نہیں آئیں گے۔

یہ ایک دوسری منحوس خبر تھی اور اگر بالک رام نے فوراً استون کو نہ تھام لیا ہوتا تو وہ زمین پر گر ہی جاتا۔

"اب کیا ہوگا خانساماں بھائی.....؟"

وہ خانساماں کا گریبان پکڑ کر لگ بھگ جھول گیا، خانساماں بھی اُس کے درد میں شریک تھا، اُس نے دھیرے سے اپنا گریبان چھڑایا اور بولا۔

"دھیرج رکھو بالک رام..... نئے صاب نہیں آئے تو کیا ہوا، ہم اُس شہر میں

www.taemeernews.com

چلیں گے جہاں پُرانے صاب گئے ہیں..... اطمینان رکھو، ہم تمہارے ساتھ چلیں گے....."

"تو بھوندو کی ماں سے.....؟"

"کیا کہو گے ابھی.....؟ بس چلنے کی تیاری کرو....."

خانساماں نے اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کر کے اس پر احسان عظیم کیا تھا۔ وہ دوسرے شہروں کے بارے میں سنتا آیا تھا، جانے کی نوبت نہیں آئی تھی، جب سے بھوندو دوسری جگہ گیا تھا اور اُسے وہاں جا کر دیکھ آنے یا لے آنے کی بات ہوتی تو اُس کی سمجھ میں نہ آتا کہ یہ مرحلے طے کیسے ہوں گے ..... خانساماں نے اُس کی آدھی تکلیف بھلا دی تھی اور وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ دوسری صبح جب کہ سورج نے طلوع ہونے کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا کہ وہ روانہ ہو گئے۔

اس بات کی خبر اُنہوں نے کسی کو نہیں دی۔ بھوندو کی ماں کو بھی نہیں ..... ماسٹر جی کو بھی نہیں۔۔۔۔

پیدل، ٹم ٹم، ٹرین اور بس کے ذریعہ سبھی مرحلوں کو طے کر کے آخر وہ ایس پی صاحب کے بنگلے کے روبرو تھے۔ خانساماں ہی تھا جو اسے یہاں تک لے آیا تھا ورنہ وہ شاید یہاں تک کبھی پہنچ ہی نہیں سکتا تھا یا اگر کسی طرح پہنچ بھی جاتا تو پتہ نہیں کیا حالت ہوتی اس کی۔

ایس پی صاحب کے شہر کے بنگلے کی شان ہی کچھ اور تھی۔ رعب داب، بند دروازے پر چار چار سپاہی بندوق تانے ہوئے، پیتل کے چمکتے ہوئے کچھروں میں ایس پی صاحب کا نام..... اندر جھانکنے پر پورٹیکو سے باہر دو دو جیپ بالکل تیار حالت میں کھڑی..... ڈاک بنگلہ میں تو جو سپاہی تھے وہ یا تو برآمدے میں ٹہلتے رہتے یا سیڑھیوں پر بیٹھ کر کھینی کھاتے رہتے، صرف صاحب کے آنے جانے پر اٹنشن ہو جاتے یا ان کے ساتھ ہی چلے جاتے، جب چاہو اندر جاؤ، جب چاہو باہر آؤ۔ یہاں تو خانساماں کو بھی اندر جانے کی اجازت لینی پڑی، دروازے پر کھڑے سپاہیوں نے تو اُنہیں دھتکار ہی دیا تھا لیکن ایک سپاہی نے جو اندر ٹہل رہا تھا، انہیں پہچان لیا، وہ صاحب کے ساتھ ڈاک بنگلہ جا چکا تھا، اُس نے اُنہیں اندر بلا لیا اور گرم جوشی کا اظہار کیا، وہ خانساماں کی رسوئی اور بالک رام کی سیوا بھولا نہیں تھا۔ دریافت کرنے پر خانساماں نے مصلحتاً اُسے اپنا مقصد نہیں بتایا اور صاحب سے ملوا دینے کی گزارش کی۔

www.taemeernews.com

"ابھی تو ان کے ملنے کا سمے نہیں ہے، وہ تیار ہو رہے ہیں، تم ایسا کرو، پورٹیکو کے پاس کھڑے ہو جاؤ، وہ جانے لگیں گے تو مل لینا....."

سپاہی نے اسے صلاح دی۔

خانساماں کو صاحب لوگوں سے ملنے کے طور طریقوں کی واقفیت تھی، بالک رام کو کچھ بھی پتہ نہیں تھا، اس کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، بس خانساماں کی نقل.....

اچانک سپاہیوں کے انداز میں ایک چستی آئی اور وہ اپنے جوتے بجانے لگے، صاحب وردی میں ملبوس باہر نکلے اور تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھے۔ خانساماں نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں سلام داغا۔

اُنہوں نے ایک لمحہ کے لئے ٹھٹھک کر خانساماں کی طرف دیکھا، پھر بالک رام کی طرف، اور ہلکے سے مُسکرائے۔

"تم لوگ .....؟"

"سرکار سے ملنے آ گئے۔ آپ کے جانے کے بعد تو ہم لوگ بے سہارا ہو گئے، نئے صاب کو شہر میں بنگلہ مل گیا....."

خانساماں خوشامدانہ انداز میں بولا۔ صاحب اتنی دیر میں گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

"تو ایسا کرو، ابھی میں بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں، بعد میں ملنا....."

"حضور بالک رام....."

خانساماں نے جلدی سے گاڑی کا لگام تھامنے کی کوشش کی۔

"بالک رام..... بھوپندر کا باپ ..... بھئی ہم نے تو نالی کے کیڑے کو آدمی بنانے کی کوشش کی، لیکن یہ میری بھول تھی، اس نے میرے گھر میں چوریاں شروع کر دیں، مجبور ہو کر میں نے اسے پولیس کے حوالہ کر دیا، اب وہ ریمانڈ ہوم میں ہے....."

صاحب نے دو ٹوک ساری داستان دو تین جملوں میں بیان کر دی، ان کی مہربانی تھی کہ انہوں نے ڈرائیور کو گاڑی اسٹارٹ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ بالک رام کے کلیجے کو جیسے کسی نے مروڑ کر بہت دور پھینک دیا، وہ تو کچھ پوچھنے کے قابل بھی نہیں رہا، البتہ خانساماں نے اپنے

www.taemeernews.com

ہوش وحواس درست رکھے۔

"حضور غریب کا بچہ ہے .....اُس کا اتہ پتہ .....؟"

میرے شہر کے ریمانڈ ہوم میں ..... سمجھے .....!"

صاحب نے ڈرائیور کو گاڑی اسٹارٹ کرنے کا حکم دیا۔

ان کی واپسی کا سفر ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی عزیز کو شمشان گھاٹ میں آگ کی لپٹوں کے حوالہ کرکے آرہے ہوں۔ بالک رام تو شاید میت کی جگہ پر لیٹا تھا، گُم صُم بُت ..... اس کے ہوش وحواس جواب دے چکے تھے، اگر وہ تنہا آیا ہوتا تو کبھی واپس نہیں پہنچ پاتا۔

گاؤں میں ایک کہرام سا مچ گیا، غم وغصہ کی ایک شدید لہر دوڑ گئی۔

"میں نے تو بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ یہ صاف ...." ماسٹر جی کو بہت صدمہ تھا۔

"اسی وقت عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہوتا تو ..... لیکن بچارہ غریب آدمی....."

"اب تو عدالت جانے سے بھی کچھ نہیں ہوگا....."

ماسٹر جی کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہے گاؤں ہی کے ایک تازہ میٹریکولیٹ نے آہستہ سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"نہیں ..... میں بھوندو کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں، وہ چوری کر ہی نہیں سکتا، ضرور اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے اور پولیس کا یہ بڑا آفیسر اپنی غلطی کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے ....."

ماسٹر جی کا لہجہ بے حد مضبوط تھا، اب تک وہ اپنے دل میں پیدا ہونے والے خدشات کو دل کے اندر ہی محفوظ رکھتے آئے تھے۔

"بالک رام کو بالکل عدالت میں جانا چاہئے اور اس کے لئے سب لوگوں کو اس کی مدد کرنی چاہئے....."

یہ اتفاق رائے فوراً اُبھرا۔

لیکن دوسرے دن .....

بالک رام اچانک غائب ہوگیا۔۔۔

منہ اندھیرے اس کی بیوی نے اُسے سوتے ہوئے نہیں پایا، پہلے سمجھی کہ شاید کسی ضرورت

www.taemeernews.com

کے لئے باہر گیا ہو گا لیکن جب کافی دیر تک نہیں لوٹا تو .....

یوں بھی کل شہر سے واپس آنے پر وہ اپنی سدھ بُدھ کھو بیٹھا تھا' رات بھر یونہی بیٹھا رہا نیند تو اُس کی بیوی کی آنکھوں میں بھی نہیں تھی لیکن پتہ نہیں کون سے پہر اُس کی آنکھیں جھپک گئیں۔

وہ پچھاڑیں کھانے لگی۔ ہنگامہ سن کر خانساماں دوڑا دوڑا آیا' ماسٹر جی بھی آئے' بہت سے لوگ آ گئے' سبھی پوکھر' ندی' تالاب وغیرہ میں تلاشی لی گئی' گاؤں کے کسی راستے پر کوئی سواری بھی نہیں چلی تھی۔ دن بھر لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں رہے لیکن اُسے ملنا تھا نہ ملا۔

کئی دنوں کے بعد ماسٹر جی نے اخبار کے پچھلے صفحے کے ایک کونے میں خبر پڑھی کہ عدالت کے آہنی گیٹ پر ایک مفلوک الحال نامعلوم دیہاتی نے سر پٹک پٹک کر جان دے دی تو انہیں یقین ہو گیا کہ .....

لیکن اس خبر کو بھی اُنہوں نے دوسری خبروں کے ساتھ اپنے پاس ہی محدود رکھا کہ اسے بتانے سے فائدہ بھی کیا تھا۔

☆ ''آپ کی کہانیوں میں جو سلیقہ اور بے ساختگی ہے، اس سے میں بہت متاثر ہوں''۔

احمد ندیم قاسمی

☆ ''کیا غضب کی کہانی لکھتے ہیں، آپ کو پڑھ کر ضمیر الدین احمد کی یاد آجاتی ہے۔ اعلیٰ فن پارہ ناقابلِ تشریح اور ناقابلِ تجزیہ ہوتا ہے۔ آپ کی کہانی زندہ جسم کی طرح سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے''۔

مُغنی تبسم

☆ ''آپ کے افسانے حقیقی سطح سے غیر متوقع طور پر بلند ہو کر ماورائی جہت کی طرف سفر کرتے ہیں۔ یہ فنی شعور کی بالیدگی کی دلیل ہے''۔

حامدی کاشمیری

☆ ''آپ کا انفرادی آپ کو زندہ رکھنے کے لئے کافی نظر آتا ہے۔ آپ کے مسائل مختلف، آپ کا تصور مختلف، آپ کا تناظر مختلف..... صحیح معنوں میں آپ ایک حقیقت پسند Rea list ہیں۔ چیزوں کو سمجھنے کے لئے آپ جیسی نظر مطلوب ہے''۔

عتیق اللہ

☆ ''آپ کا شمار اردو زبان کے اہم ترین فکشن لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ خوبی و مرتبہ کی جس منزل پر آپ ہیں، وہاں پہنچ کر فنکار بے نیازی کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ میرا حرف ستائش نہیں، اظہارِ حقیقت ہے''۔

بلراج کومل

☆ ''عبدالصمد کا اسلوب اس لحاظ سے قابلِ توجیہ ہے کہ شفاف بیانیہ ہونے کے باوجود اُن کے ہاں لکا چھپی کا کھیل لگاتار جاری رہتا ہے۔ اُن کے اسلوب کی مثال ایک ہم درد اور پُرسکون ندی سے دی جا سکتی ہے جس میں روانی تو ہے مگر مدوجزر کی کیفیت نہیں۔ اُن کا اسلوبی بہاؤ دھیمے انداز میں بہت اطمینان سے جاری ہے۔ اُن کے ہاں موضوعاتی طور پر جتنا تنوع ہے اور زندگی کے مختلف منطقوں کا وہ جس بے باکی سے جائزہ لیتے ہیں، اس ضمن میں وہ اپنے ہم عصروں کے درمیان بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ زندگی، اُس کے مسائل، پے چیدگیاں، اُتار چڑھاؤ..... غرض زندگی کے مختلف رنگ عکس، نقش، خط اور رُخ اُن کے افسانوں میں نمایاں ہیں''۔

حسین الحق

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, vakil street, kucha pandit, lal kuan, delhi-110006 (INDIA)
PH: 23216162, 23216162 fax: 011-23211540
e-mail: ephdelhi@yahoo.com
81-87667-69-9